Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد 14/•شمارہ 4/•نومبر/2024

شکرِ نعمت

میراث

میانہ روی

بوڑھا شیر

اک سفر سہانا۔۔۔

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

Free of Cost

PSDC Professional Software Development Certification

JS TS React node JS

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

نومبر 2024

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: قاری عبدالرحمن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

فہم و فکر

میانہ روی و اعتدال — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

سیرت نبوی میں مسائل کا حل — تنزیلہ یوسف — 10
اسلامی تہذیب و تمدن — حفصہ سلطان — 12
سورۃ المائدۃ، اجمالی تعارف — رشید عطا — 14
حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 15
پپیتا — حکیم شمیم احمد — 16
مسائل پوچھیے اور سیکھیے — مفتی محمد توحید — 18
میراث — بنت حافظ یاسین — 19
مکافاتِ عمل — عذرا خالد — 20

خواتینِ اسلام

نادر کی کہانی — قانتہ رابعہ — 21
ضیوف الرحمن — عائشہ محبوب — 23
خوشیوں کا گہوارہ — اُمِّ محمد سلمان — 25
اقبال اور تربیت اولاد — اُمِّ عبداللہ — 26
بلاعنوان — دانیال حسین — 27
درخت — کرن فاطمہ — 28
گونجتی آوازیں — امۃ اللہ — 28
اک سفر سہانا — حفصہ فیصل — 30
برص — شمائلہ شکیل — 31
مکڑی کا جالا — خدیجہ نعیم — 32
اپنے موٹی ویشن خود بنیے! — کومل شہزادی — 32

باغچہ اطفال

خوف ناک سفر — صبیحہ یاسین — 35
صلی اللہ علیہ وسلم — بنت مسعود — 35
بوڑھا شیر — تنزیلہ احمد — 36
جگنو اور بلبل — نفیسہ سعید — 37
محنت کا پھل — پانیہ عبدالشکور — 38
مٹر پلاؤ — یاسر فاروق — 38
ہمارے اقبال — فاکہہ قمر — 39
خوشی — شمائلہ شکیل — 39

بزمِ ادب

اساتذۂ کرام — جوہر عباد — 42

اخبار السلام

اخبار السلام — ادارہ — 50

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

میانہ روی واعتدال

آج ہر طرف کھینچاتانی اور انتہاپسندی نظر آتی ہے، جس کی جہاں تک پہنچ ہو، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے بس اسی کی رائے مانیں، اسی کی بات پر عمل کریں، گھروں میں دیکھا جائے تو میاں بیوی ایک دوسرے پر اپنی رائے مسلّط کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں، ان کی دیکھا دیکھی بچوں کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے، ہر بچہ صرف اپنی بات اور اپنی خواہش پر عمل چاہتا ہے، دوسرے کی بابت ماننا تو درکنار رائے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا، اداروں اور جماعتوں میں بھی رفتہ رفتہ مشاورت کا فقدان نظر آنے لگا ہے، سیاست دان ہوں یا مذہبی رہنما سب اپنی رائے کو رائے نہیں بلکہ حکم کی صورت میں ہر طرف نافذ دیکھنا چاہتے ہیں، روزگار کے لیے محنت کا حکم ہے، لیکن اس میں بھی انتہاپسندی کا رجحان ہے کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کی پروا نہیں رہی، خوشی کی تقریبات ہوں یا غم کے مواقع ہر موقع پر انتہاپسندی اور کھینچاتانی نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دینِ اسلام کی بیش بہا دولت عطا فرمائی ہے۔ یہ دین صرف چند عبادات کا نام نہیں، بلکہ اس میں ہر ہر لمحے کے لیے ہماری ضرورت کے مطابق کارآمد اور مفید ہدایات ہیں، اسی لیے حدیث میں اسلام کو خیر خواہی کا دین کہا گیا ہے، اس کی ہدایات ہماری زندگی اور رہن سہن کو آسان بناتی ہیں۔ انھی میں سے ایک ہدایت میانہ روی اور اعتدال کی بھی ہے۔ ہماری انتہاپسندانہ سوچ اور طرزِ عمل سے لگتا ہے کہ ہم نے اس ہدایت اور رہ نما اصول کو اپنی زندگی سے نکال ہی دیا ہے اور یہ سوچنے پر تیار ہی نہیں کہ میانہ روی، اعتدال کا سبق ہماری زندگی کو آسان بنانے کے لیے ہے، جس طرح ہم دوسرے تجربات کرتے ہیں، اسی طرح اس معاملے میں بھی تجرباتی طور پر ہی سہی، کچھ ہفتوں اور مہینوں کے لیے اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کر کے دیکھیں، دوسروں کی رائے سننے کا جذبہ رکھیں، اپنی رائے اور بات سلجھے ہوئے باوقار انداز میں پیش کریں۔ امید ہے ہم اپنی زندگی میں اچھی تبدیلی محسوس کریں گے اور ہمارے بچے ہماری اس تبدیلی سے نہ صرف سبق سیکھیں گے، بلکہ ان کی آیندہ زندگی بھی آسان ہوگی۔

پیغامِ اقبال اور نئی نسل

9 نومبر علامہ اقبال رحمہ اللہ کا یومِ پیدائش ہے۔ اس دن قومی اخبارات میں علامہ اقبال کے حالاتِ زندگی شائع ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پہلے سرکاری تعطیل بھی ہوا کرتی تھی، پھر تعطیلات کی فہرست سے یہ دن نکال دیا گیا۔ اسکولوں میں علامہ اقبال پر پروگرام ہوا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ بھی تقریباً ختم ہی ہوگئے ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ کو مفکرِ پاکستان کہا جاتا ہے، ان کی نظم ”بچے کی دعا“ کئی اسکولوں میں اب بھی بچے قومی ترانے کے بعد پڑھتے ہیں، اس نظم میں بچوں کو بہت خوب صورت انداز سے کئی سبق دیے گئے ہیں۔ اساتذہ کو چاہیے کہ کبھی کبھی اس نظم میں دیے گئے اسباق بچوں کے ذہنوں میں تازہ کرتے رہیں۔ اقبال نے بچوں کے لیے اور بھی کئی خوب صورت، سبق آموز نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ نظمیں نصاب کا حصہ بھی ہیں۔ مقررین اپنی تقریر میں اقبال کی شاعری میں سے منتخب اشعار اپنی بات کا مفہوم واضح کرنے کے لیے پڑھتے ہیں، تعلیمی اداروں کی دیواروں پر بھی اقبال کے اشعار لکھے جاتے ہیں، یہ سب کام اچھے ہیں، کرنے چاہییں، لیکن سب سے ضروری یہ ہے کہ پیغامِ اقبال سے نئی نسل کو اس طرح روشناس کروایا جائے کہ اس شاعری کا اصل مقصد پورا ہو۔ بچپن دراصل پوری زندگی کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس عمر میں بچوں کو جو سبق پڑھایا سکھایا جائے گا، وہ ہمیشہ ان کی شخصیت کا حصہ بن جائے گا، اگر بچوں کی زندگی پیغامِ اقبال کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے، عملی زندگی میں یہ سبق ان بچوں کے کام آئے گا، مفکر پاکستان کے پیغام سے حکمران، بیوروکریسی، اساتذہ اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیے اور عملی زندگی میں پیغامِ اقبال کو اس طرح لانا چاہیے، جو اقبال کی شاعری کا اصل مقصد ہے۔ نئی نسل جب اپنے بڑوں کو اُن اشعار پر عمل پیرا دیکھے گی، جو اقبال کی نظموں کی شکل میں ان کے نصاب کا حصہ ہے تو بچوں کے ذہن اس سوچ کے ساتھ پختہ ہو جائیں گے، جیسی ذہن سازی اقبال چاہتے تھے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سود کا خاتمہ

قومی اسمبلی اور سینٹ نے 20 اور 21 اکتوبر کی شب دو تہائی اکثریت سے پاکستان کے آئین میں 26 ویں ترمیم منظور کی ہے اور صدر مملکت کے دستخط سے یہ ترمیم اب آئین کا حصہ بن گئی ہے، اس آئینی ترمیم میں ایک شق سود کے خاتمے سے متعلق بھی ہے، الحمد للہ اہل پاکستان کو 77 سال بعد یہ دن نصیب ہوا ہے کہ قانون ساز اداروں نے سود کے مکمل خاتمے پر اتفاق کیا ہے اور اس کے لیے یکم جنوری 2028ء تک مہلت دی گئی ہے۔ کئی بار اسلامی نظریاتی کونسل نے سود کے خاتمے کو اپنی سفارشات کا حصہ بنایا، وفاقی شرعی عدالت نے بھی فیصلہ دیا کہ سود کے خاتمے کے اقدامات کیے جائیں، حکومت ہر بار وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل کرتی رہی۔ نومبر 2022ء میں وزیر خزانہ نے عدالت سے اسٹیٹ بنک اور نیشنل بنک کی اپیلیں واپس لینے کا یقین دلایا۔ بیانات کی حد تک کئی بار حکم رانوں نے وعدے کیے، لیکن سود کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات سے پہلوتہی کی روش برقرار رہی۔ اب جب کہ سود کے خاتمے کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور اس کے لیے حکومت کے پاس تین سال سے زیادہ کا وقت ہے، حکومت کو چاہیے اس بابت لیت ولعل سے کام لینے کی بجائے اسٹیٹ بنک اور متعلقہ اداروں کو یہ حکم دے کہ جتنا جلدی ممکن ہو، سود کے مکمل خاتمے کو یقینی بنائیں۔ حکومت اگر اس پر عمل کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی اور بھنور میں پھنسی معیشت کی ناؤ پار لگے گی۔ ان شاء اللہ!

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمُ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ 20

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان کو (یعنی خاتم النبیین ﷺ کو) اس طرح پہچانتے ہیں، جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، (پھر بھی) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لیے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ ایمان نہیں لاتے۔ 20

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ 21

ترجمہ: اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔ 21

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ 22

ترجمہ: اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہوگا، ان سے پوچھیں گے کہ "کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک ہیں" 22

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ 23

ترجمہ: اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے: "اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے۔" 23

تشریح نمبر 1: شروع میں تو وہ بو کھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآنِ کریم ہی نے سورۂ یٰسین اور سورۂ حٰمٓ السجدہ میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اس موقع کے لیے سورۂ نساء میں پیچھے گزرا ہے کہ وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے اور آگے اسی سورت میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ 24

ترجمہ: دیکھو یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے اور جو (معبود) انھوں نے جھوٹ موٹ تراش رکھے تھے، ان کا انھیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! 24

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ 25

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چوں کہ یہ سننا طلبِ حق کے بجائے ضد پر اڑے رہنے کے لیے ہوتا ہے، اس لیے) ہم نے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ ان کو سمجھتے نہیں ہیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے اور اگر وہ ایک ایک کر کے ساری نشانیاں دیکھ لیں، تب بھی وہ اب پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا کرنے کے لیے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ 25

وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْاَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ 26

ترجمہ: اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور (اس طرح) وہ اپنے جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو احساس نہیں ہے۔ 26

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ 27

ترجمہ: اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا اور یہ کہیں گے: "اے کاش! ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہمارا شمار مؤمنوں میں ہو جائے!" 27

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ 28

ترجمہ: حالاں کہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی ہوگی، جسے وہ چھپایا کرتے تھے، (اس لیے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے، جس سے انھیں روکا گیا ہے اور یقین جانو! یہ پکے جھوٹے ہیں۔ 28

وَقَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ 29

ترجمہ: یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، بس یہی دنیاوی زندگی ہے اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ 29

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ 30

ترجمہ: اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے! وہ کہے گا: "کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟" وہ کہیں گے: "بے شک ہمارے رب کی قسم!" اللہ کہے گا: "تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیوں کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" 30

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

الانعام 20-30

قرآن فہمی

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہم حدیث

اسلام میں اذان کا آغاز

رسول اللہ ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطورِ علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جایا کرے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگھا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے، اس طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لیے نرسنگھا بجایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپ اس مسئلہ میں متفکر رہے، آپ کی اس فکر مندی نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بہت متفکر کر دیا، ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے جو حضور کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکر مند اور بے چین ہو گئے تھے، اُس رات خواب دیکھا، اس خواب میں انھیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی۔ انھوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انشاء اللہ! یہ رؤیا حق ہے۔“ یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے۔ یہ بات آپ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپ پر بھی اس بارے میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلبِ مبارک میں یہ بات ڈالی) بہر حال! آپ نے ان صحابی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے، وہ ہر نماز کے لیے اسی طرح اذان دیا کریں۔“ بس اُس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دینِ اسلام اور امتِ مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ :ذَكَرُوْا أَنْ يُعْلِمُوْا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوْا أَنْ يُوْرُوْا نَاراً أَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَ يُوْتِرَ الْإِقَامَةَ (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انھوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں، جس کو لوگ پہچان لیا کریں، (تاکہ جلدی بروقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے، پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلماتِ اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کی تلقین

عَنْ أَبِيْ مَحْذُوْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً (رواه احمد والترمذی وابو داؤد والنسائي)

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

تشریح: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں، کیوں کہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور قد قامتِ الصلوٰۃ، قد قامتِ الصلوٰۃ دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کمی اور بیشی کے بعد اذان کی تعداد پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال 8 کا ہے، جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے، دل چسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔۔۔

اذان اور مؤذن کی فضیلت

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے، وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے، وہ قیامت کے دن ضرور اس کے حق میں شہادت دے گی۔ (صحیح بخاری)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہے وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابلِ رشک فضیلت ہے۔

وفي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ!

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
THE EXPERTS' SECRET
IS NO LONGER A SECRET
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
CHILLI SAUCE
SOY SAUCE
SYNTHETIC VINEGAR
PAKISTAN'S NO.1*
LIQUID SEASONINGS
www.shangrila.com.pk
*Foresight Household Panel 2024

شکرِ نعمت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

قرآنِ مجید کی پہلی سورت سورۃ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ ہے اور اس پہلی آیت میں ایک بہت اہم پیغام ہے، شکر بھری زندگی اور شکر کی عبادت کا۔ سچی بات یہ ہے کہ خزاں کے موسم میں بھی بہار کے مزے آسکتے ہیں، اگر زندگی شکر والی نصیب ہو جائے۔ تکلیف کی گھڑیوں میں بھی آرام کا لطف اور سکون کی مٹھاس مل سکتی ہے، اگر زندگی میں شکر والی عبادت نصیب ہو جائے۔ اللہ کا وعدہ ہے، جب صاحبِ ایمان شکر والی زندگی گزارتا ہے تو میں اس سے اپنے غصے کی نظر اٹھالیتا ہوں، اپنا غصہ ہٹادیتا ہوں۔ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے عذاب سے محفوظ کر دیتا ہوں۔ مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ تو یہ سچ ہے کہ اگر صاحبِ ایمان اپنی زندگی میں شکر لے آئے تو یہ اللہ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ اس لیے کہ اس دنیا میں جہاں اللہ کی ناراضی اور اللہ کا عذاب ہے، وہاں بے چینی، بے سکونی اور مایوسی بھی ہوتی ہے اور جہاں آزمائش ہوتی ہے، وہاں تکلیفیں تو ہوتی ہیں، خزاں کا موسم تو ہوتا ہے، لیکن اگر اللہ ناراض نہیں، اس کی نظرِ غضب سے یہ محفوظ ہے تو ایسے شخص کی زندگی میں چین، سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔ سبحان اللہ!

یہ ایسا ہی ہے، جیسے ایک گھڑی کے دائیں بائیں، اوپر نیچے پانی ہوتا ہے، لیکن اس گھڑی کے اندر پانی نہیں جاتا، اس لیے کہ وہ گھڑی واٹر پروف ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح شکر والی زندگی، شکر والا دل، شکر والی زبان اور شکر والے اعمال انسان کے دل کو غم پروف بنا دیتے ہیں۔ دائیں بائیں کے سارے احوال پریشان کُن ہیں، تکلیف دہ ہیں، لیکن اس کا دل غم پروف ہے، جو اللہ نے اسے شکر کی زندگی دے رکھی ہے، اس پر انعام ہے۔ اس پر اللہ کی نظرِ غضب نہیں ہے، اس پر اللہ کا عذاب نہیں ہوگا، اس پر اللہ کی ناراضی کی نظر نہیں پڑے گی۔ شکر ایسی عبادت ہے، جن پر اللہ فضل فرمادیں، اُنھیں تکلیفوں کے اندر بھی اللہ کی نعمتیں نظر آتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں، مال میں کمی آئی ہے، کاروبار میں کمی آئی ہے، لیکن صحت تو مال سے بڑی نعمت ہے، اللہ نے صحت تو سلامت رکھی ہے۔ بینائی، گویائی اور سماعت تو سلامت ہے۔ اعضا و جوارح تو سلامت ہیں۔ مال ہی میں کمی آئی ہے، آمدنی میں ہی کچھ کمی آئی ہے، کچھ معاشی طور پر حالات آئے ہیں، لیکن اللہ کا کرم ہے، جسم کی ایک ایک نعمت کروڑوں سے زیادہ بھاری ہے، جب وہ ان نعمتوں پر نظر ڈالتا ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اسے حوصلہ اور سکون ملتا ہے۔۔۔ تو پریشانیوں میں گھرے ہونے کے باوجود، تکالیف میں رہنے کے باوجود جب اس کی نظر نعمتوں پر رہتی ہے اور شکر اس کے دل میں آتا ہے تو اسے ٹھنڈک ملتی ہے جو اس دنیا میں ایک مسلمان کی نظر میں سب سے بڑی دولت ہے اور وہ ہے "ایمان"!!!

> مسلمان جب کھاتا ہے تو کہتا ہے الحمد للہ اور جب اندر کا فضلہ باہر نکلتا ہے تو کہتا ہے الحمد للہ اس لیے کہ اندر کا فضلہ اگر باہر نہ نکلے تو بھی ساری نعمتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

ایمان ایسی نعمت ہے، جس پر بندہ جنت میں بھی شکر کرے گا اور کہے گا اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی ھَدَانَا لِھٰذَا مال میں کمی آگئی تھی، کاروبار میں کمی تھی، کچھ صحت خراب رہی تو کیا ہوا۔۔۔؟ اللہ نے ایمان کی دولت تو دے رکھی تھی۔ اللہ نے اپنے سامنے جھکنا تو نصیب کیے رکھا۔ اللہ نے اپنی فرماں برداری تو نصیب کیے رکھی۔۔۔ تو اس نعمت پر بندہ مومن جنت میں بھی شکر کرے گا۔

ہم میں سے ہر شخص لاکھوں کروڑوں انسانوں سے زیادہ بھلا ہے۔ مالی لحاظ سے بھی، کھانے پینے کے لحاظ سے بھی، پہننے اوڑھنے کے لحاظ سے بھی، رہنے سہنے کے لحاظ سے بھی اور پھر اللہ نے جسم کے اندر اَن گنت نعمتیں اور ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی نعمت رکھی ہے۔ کسی فقیر اور محتاج سے کہا جائے میاں! کروڑوں دیں گے، ایک آنکھ دے دے! وہ بھوکا رہ جائے گا، آنکھ نہیں دے گا۔ آنکھ کی قیمت اتنی ہے اور جسم میں ایسی کتنی

ہی نعمتیں اللہ نے دے رکھی ہیں۔ اللہ ہمیں وہ نظر نصیب فرمادے کہ آزمائش کی گھڑیوں کے اندر بھی اللہ کی نعمتیں نظر آئیں، تاکہ شکر کی عبادت نصیب ہو۔ سچ کہہ رہا ہوں! کوئی کتنی ہی بڑی تکلیف وآزمائش میں ہو اور اس کا دل اللہ کے شکر سے معمور اور بھرا ہوا ہو، ایک دولت تو اسی لمحے اللہ دے گا سکون، اطمینان اور چین! اللہ کی نعمتوں پر نظر اور پھر شکر کی کیفیت۔۔۔

شُکر والا دل، شُکر والی زبان اور شُکر والے اعمال انسان کے دل کو غم پروف بنادیتے ہیں۔

ایک اللہ والے کو سخت بخار ہوا۔ آنے والوں نے ہاتھ رکھا تو ایسا لگا کہ آگ پر ہاتھ رکھ لیا۔ پوچھا: ”کیا حال ہے؟“ کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کہا: ”اتنا سخت بخار ہے۔“ کہا: ٹھیک ہے، بخار ہے نا! اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کھانے کا راستہ سلامت ہے اور اندر کا فضلہ نکلنے کا راستہ سلامت ہے۔ مسلمان جب کھاتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اور جب اندر کا فضلہ باہر نکلتا ہے تو کہتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

اس لیے کہ اندر کا فضلہ اگر باہر نہ نکلے ساری نعمتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ اس نے کھلایا، یہ بھی اللہ کا شکر ہے۔ اس نے اندر کا فضلہ نکال دیا، یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے۔

کتنی نعمتیں ہیں، کون گن سکتا ہے؟ زمین کے ذرّات، سمندر کے قطرات، درختوں کے پتے اور آسمان نما چھت کے ستارے سیارے تو شاید شمار کیے جا سکیں، لیکن زندگی میں اللہ کی جو نعمتیں برس رہی ہیں، انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا اور شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں اللہ کے بندوں سے جو عبادت لوں گا، وہ یہ ہوگی کہ میں اسے شکر کی عبادت سے محروم کروں گا۔ اسے پتا ہے کہ جب بندہ شکر سے محروم ہو گیا، اسے مایوسیاں گھیر لیں گی، یہ اندر سے پگھلنے لگے گا۔ ڈھیر ساری نعمتوں میں رہ رہا ہے، لیکن اگر شکر نہیں ہے تو ان ساری نعمتوں کا لطف بھی اس کی زندگی سے گیا۔۔۔ تو شیطان ناشکرا بنانا چاہتا ہے۔ زندگی سے شکر کی عبادت چھیننا چاہتا ہے اور پیارے رسول ﷺ اپنی امت کو شکر گزار دیکھنا چاہتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کے گھروں میں فاقے ہیں۔ ہمیں اللہ نے دے رکھا ہے۔ اللہ ربُّ العزّت نے جسم کی نعمتیں سلامت کر رکھی ہیں اور ان ساری نعمتوں سے بڑھ کر مالی تکلیف بھی آگئی، معاشی طور پر بھی کچھ کمی آگئی، اقتصادی طور پر بھی کچھ نقصان آگیا تو نظر رکھو! اللہ نے جسم میں کیسی قیمتی نعمتیں دے رکھی ہیں، کچھ بیماری بھی آگئی ارے ایمان تو اس سے بڑی دولت ہے، ہدایت تو اس سے بڑا سرمایہ ہے، اللہ اپنی بندگی نصیب فرمادے، اپنی فرماں برداری دے دے یہ تو سب سے بڑی دولت ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور جن جن نعمتوں پر نظر رکھ کر آپ شکر ادا کریں گے، اللہ کا وعدہ ہے لَاَزِیْدَنَّکُمْ نعمتیں بڑھا دوں گا۔۔۔ بندگی پر شکر کرو گے اللہ بندگی کی اور توفیق نصیب فرمادیں گے۔ اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت پر شکر کرو گے، اللہ ہدایت کے نور میں اور اضافہ فرمائیں گے۔ اللہ نے جسم کی نعمتیں دے رکھی ہیں، اس پر شکر کرو گے تو اللہ صحت میں برکت عطا فرمادیں گے۔ اللہ ربُّ العزّت نے لاکھوں کروڑوں سے زیادہ معاشی طور پر بہتر رکھا ہے۔ شکر کرو گے، اللہ ربُّ العزّت معاشی مسائل میں اور برکت اور آسانیاں پیدا فرمادیں گے۔ اللہ کا کہا سچا ہے، لَاَزِیْدَنَّکُمْ اور دوں گا۔ اتنا زوردار جملہ ہے کہ اُردو میں اس کی تشریح کے لیے الفاظ ہی نہیں۔۔۔ قرآنِ کریم میں جس انداز سے اللہ تعالیٰ نے جس تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی ہے، بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ بھئی! شک نہ کرنا، ہم تمھیں اور دیں گے، ہم اور اضافہ کر دیں گے۔ اللہ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں، ان پر نظر رکھیں۔ اللہ کرے دل شکر سے بھرا ہوا ہو، زبان پر اللہ کا شکر ہو، یہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہے، یہ بے چینی اور مایوسیوں سے نکلنے کی مبارک صورت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اگر زندگی شکر والی نصیب ہو جائے تو خزاں کے موسم میں بھی بہار کے مزے آسکتے ہیں۔

شکر کی اور حقیقت کیا ہے؟ اس لیے کہ جب آدمی کو اپنے محسن کے احسانات کا خیال رہے اور اپنے محسن کے خیالات کا دھیان رہے تو اس کی محبت آجاتی ہے اور اس محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت آسان ہو جاتی ہے۔ اس محسن کی محبت میں اس کی اطاعت فرماں برداری آسان ہو جاتی ہے اور اطاعت پر اللہ کا وعدہ ہے، میں اس کو عذاب نہیں دوں گا، پھر کوئی تکلیف آگئی۔۔۔ یقین رکھیے کہ تکلیف ایسی ہے کہ انجیکشن لگانے سے بھی تو تکلیف ہوتی ہے، آپریشن کرنے سے بھی تو تکلیف ہوتی ہے، کوئی زہریلا قسم کا پھوڑا نکلے اس کا آپریشن کرنے سے بھی تکلیف ہوتی ہے، جسم کے اندر کوئی غلیظ اور زہریلا مادّہ ہے، اس کو نکالنے کے لیے پیٹ چاک کیا جاتا ہے، تکلیف تو وہاں بھی ہوتی ہے، لیکن سب کیا کہتے ہیں؟ یہ ڈاکٹر تو اس مریض کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ یہ تو مسیحا بن کر آیا ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں، اگر زندگی شکر گزاری کی ہو جائے، اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ اللہ کی ناراضی سے محفوظ ہو گیا۔ پھر کوئی آزمائش، کوئی تکلیف کی شکل ہے تو وہ اللہ کی رحمت کی ایک شکل ہے۔ جیسے ہم ڈاکٹر کو کہتے ہیں، طبیب کو کہتے ہیں، اللہ کا بڑا فضل ہو گیا۔ پھر ہم یہی کہیں گے کہ اے اللہ! تو کریم ذات ہے، تو حکیم ذات ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ ربُّ العزّت ہماری تربیت کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اپنا پیارا بنانا چاہتا ہے تو ان شاء اللہ! طبیعتوں میں اطمینان بھی رہے گا، سکون بھی رہے گا۔ اللہ ربُّ العزّت ہمیں ایسی شکر گزاری کی زندگی نصیب فرمائے۔ آمین!

سیرتِ نبوی کی روشنی میں مسائل کا حل

تنزیلہ یوسف

کتابِ برحق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران: 19)

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک (مقبول) دینِ اسلام ہی ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اس کے ہاں دینِ اسلام کے علاوہ دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ دینِ اسلام وہی دین ہے، جس کی تبلیغ کے لیے ہر زمانے میں انبیائے کرام علیہم السّلام تشریف لاتے رہے ہیں، یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر اس سلسلہ (رُشد وہدایت) کو مکمل کر دیا ہے۔ گزشتہ ساری شریعتیں اور ادیان منسوخ ہو گئے ہیں، اب قیامت تک صرف اور صرف شریعتِ محمدی ﷺ رہے گی۔ اگر کوئی شخص کسی دوسری شریعت کی پیروی کرے گا تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آلِ عمران: 85)

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ دنیا کے سارے دین منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب دینِ اسلام قبول کیے بغیر کسی بھی فردِ بشر کی نجات ممکن نہیں ہے اور اس دینِ اسلام کو حشر کے میدان میں لوگوں کے اعمال کی قبولیت کا معیار بنایا جائے گا۔ اگر اعمالِ صالحہ کے ساتھ اسلام ہے تو مقبول، ورنہ سارے اعمال مردود (ناقابلِ قبول) قرار پائیں گے۔

اللہ کریم نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا۔ دنیا میں پہلے انسان جنابِ آدم علیہ السّلام اپنے ساتھ اللہ کی معبودیت کا پیام بھی لے کر آئے۔ عزازیل نے جو آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے سے پہلے مقرّبین میں شمار کیا جاتا تھا، سجدے سے انکار کرنے اور مردود قرار پانے کے بعد اللہ کریم سے قیامت تک کی مہلت طلب کی اور دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکائے گا، اللہ عزوجل نے بھی اس پر فرمایا:

”میرے نیک بندے کبھی تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔“

چشمِ فلک نے ایسا دیکھا بھی اور اب تک دیکھ رہی ہے کہ جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ اللہ کے راستے پر چلے اور چلتے جا رہے ہیں۔ ابلیس لعین کی کوئی چال انھیں ان کے خالقِ حقیقی کی راہ پر چلنے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتی۔

دستورِ ربانی ہے کہ جب نئی شریعت آ جائے تو پچھلی تمام شریعتیں منسوخ قرار پاتی ہیں۔ ساڑھے چودہ سو سال قبل اسلام کے آنے کے بعد پچھلی تمام تر شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اسلام تمام عالم کے لیے واحد دین قرار پایا۔ اللہ ربُّ العزّت نے اپنے نبی علیہ الصلوات والتسلیمات پر اپنا ”نسخہ کیمیا“ تقریباً تئیس سال کے عرصے میں نازل فرمایا۔ ان تئیس سالوں کے دوران آپ نبی اکرم ﷺ وقتاً فوقتاً اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے رہے۔ ان میں چند ایک کے سوا ایسے اصحاب اکثریت میں تھے جو اسلام لانے سے قبل گرم طبیعت رکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اللہ عزوجل کے بھیجے گئے ”نسخہ کیمیا“ کی تعلیمات کی ہی بدولت یہ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین آج بھی دنیا کے بہترین حکمرانوں اور منظم رفقا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

چشمِ فلک نے وہ نظارہ بھی دیکھا، جب مسلمان قوم اپنے عروج پر تھی۔ علم وادب، نظام حکمرانی، معیشت غرض ہر میدان میں دنیا کی بہترین قوم تھے۔ یورپ کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے دور ہونے کی بڑی وجہ مسلم امہ کی تقلید، ان سے سیکھے علوم وفنون ہی ہیں۔

ایسا کیا ہے دینِ اسلام میں کہ وحشت وبربریت میں اپنا ثانی نہ رکھنے والی اقوام اس کے دائرے میں داخل ہوتے ہی معجزاتی طور پر دنیا کی بہترین اقوام میں شمار ہونے لگتی ہیں۔ قرآنِ کریم کی ایک ایک آیت، حرف حرف شفا ہے۔ اس ”نسخہ کیمیا“ کا آغاز ہی ”سورۂ شفا“ یعنی سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے، سر پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم پڑھنے سے سر کا درد دور ہوتا محسوس ہوتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس ”کتابِ ہدایت“ کی تمام تر تعلیمات اپنانے سے بے قرار دلوں کو قرار نہ ملے؟ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات نہ ملے؟

زمانے کی تاریخ رقم کرنے والے وقت نے اپنے بے رحم قلم سے وہ تاریخ بھی رقم کی جو مسلم امہ اندرونی انتشار اور عروج سے زوال کی جانب تنزلی سے متعلق تھی۔ تنزلی کے اس سفر کی وجہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے دوری اور دنیا کے عیش وعشرت میں گم ہو جانا تھی۔

آج پھر سے امتِ مسلمہ ہر طرف مصائب ومشکلات کا شکار ہے۔ دشمن ان پر مسلط ہو چکا ہے۔ ان کی خواتین کی عزّت تک محفوظ نہیں رہی، بلکہ انھیں بر سرِ عام اجتماعی آبرو ریزی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کشمیر اور فلسطین اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ نوجوان بوڑھوں اور معصوم بچوں تک کو قتل کیا جا رہا ہے۔ کہیں یہی مسلمان آپس میں دست و گریبان ہیں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن چکے ہیں۔

یہ امت جو کبھی دنیا میں سربلند تھی اور اس کی ہیبت اور دبدبہ دشمن پر چھایا ہوا تھا اور ہر کوئی اس کی عظمت کا معترف تھا، لیکن آہستہ آہستہ اس کی عظمت کا چراغ گل ہونے لگا۔ دشمن

کے دلوں سے اس کی ہیبت اور دبدبہ ختم ہو گیا اور اب یہ عالم ہو چکا ہے کہ یہ امت ہر طرف ذلیل و خوار ہو رہی ہے بلکہ ذلّت ان کا مقدّر بن چکی ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ عروج و زوال کے ان ادوار کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
کہیں مسلک ہے اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اللہ تعالیٰ نے بساطِ کائنات اپنے محبوب کی خاطر بچھائی اور محبوبِ کائنات نے بھی اللہ کی خاطر سب سے زیادہ اذیتیں جھیلیں۔ آپ ﷺ چاہتے تو یہ صعوبتیں نہ جھیلتے، لیکن اب ﷺ کی خود دار طبیعت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ چند روزہ دنیاوی عیش و آرام کو آخرت کے ہمیشہ رہنے والے آرام پر فوقیت دیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ "محب" اپنے "محبوب" کو دنیا و آخرت کے عیش و آرام دے دیتے کہ اس کے خزانوں میں ہم حقیر بندوں کے لیے کمی نہیں تو کیسے وہ اپنے محبوب کو یہ سب عطا نہ کرتا؟ لیکن دنیا کے کامل ترین انسان نے اپنی امت کے لیے مثال بننے کا فیصلہ کیا۔

آج نفسا نفسی کے اس دورِ پُر فتن میں مسلمان نفس کے بندے بن کر رہ گئے ہیں۔ قرآن وسنت پر عمل دور کی بات، ان کو خود پر جبری مشقت جان کر انھیں اپنے کاندھوں سے جھٹکا دیا جا رہا ہے۔ جھوٹ، فریب، دھوکا دہی، قومِ لوط کی پیروی، زنا، بدکاری غرض ایسی کون سی برائی ہے جو آج کا مسلمان نہیں اپنائے ہوئے ہے؟

جب کہ ہم بحیثیتِ مسلمان جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے کہ "آپ مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بچا کر رکھیں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے اور مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائے رکھیں اور اپنی زیبائش کی جگہوں کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اپنے شوہروں، آباء، شوہر کے آباء، اپنے بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، بھائیوں کے بیٹوں، بہنوں کے بیٹوں، اپنی ہم صنف عورتوں، اپنی کنیزوں، ایسے خادموں جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں اور ان بچوں کے جو عورتوں کی پردے کی بات سے واقف نہ ہوں اور مومن عورتوں کو چاہیے کہ چلتے ہوئے اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو جائے اور اے مومنو! سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو، اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔" (النور: 30،31)

آج آزادی کے نام پر خواتین زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کے اطوار اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں، جب کہ دینِ اسلام اسی عورت کو مرد کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ اس کے اخراجات کا ذمہ مرد کو دیا گیا، چاہے بیٹی ہو یا بیوی یا چاہے ماں، اس کی ہر طرح کی کفالت مرد کے ذمّے ہے، لیکن بُرا ہو مغربی تعلیمات کا جنھوں نے اسی عورت کے دماغ میں آزادی کا خنّاس پیدا کیا اور مسلم امت کی عورت روشن خیالی کے نام پر اس حد تک آزاد خیال ہو گئی کہ ہر جانب "میرا جسم میری مرضی" جیسے اخلاق باختہ نعرے گونجنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسی امت کے افراد اخلاقِ رذیلہ کو فخریہ طور پر اپنانے میں لگ گئے ہیں۔ ان کا بیشتر وقت عصرِ حاضر کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید علوم و فنون کی مہارتیں حاصل کرنے کی بجائے وقت کا ضیاع کرنے میں مگن ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو کھیل تماشہ اور چند روزہ کہا ہے۔

"اور لوگوں میں بعض وہ بھی ہیں کہ جو خریدار ہیں کھیل تماشے کی باتوں کے، تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دیں اور اسے (اسلام کو) ہنسی مذاق بنا ڈالیں، ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے، گویا کہ اس نے انھیں سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے کان بہرے ہیں، پس مژدہ سنا دو اسے دردناک عذاب کا۔" (لقمان: 7،6)

آج ہم گھروں میں بے برکتی و بے سکونی کی شکایت کرتے ہیں، مگر اپنے اطوار پر نظرِ ثانی کرنا گوارا نہیں کرتے۔

دودھ میں ملاوٹ کے نام پر ٹھنڈے پانی کا اضافہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو دودھ خراب ہونے کا اندیشہ ہے، پھر بھی گلہ کرتے ہیں کہ آمدنی سے برکت ختم ہو گئی ہے۔ غذائی اجناس کا وزن بڑھانے کے لیے کنکروں کا اضافہ کرتے ہیں اور دو کلو کی جگہ ڈیڑھ کلو تولتے ہیں، پھر بھی شکوہ کناں کہ برکت کہاں گئی؟ خراب مال کے اوپر صاف ستھرے مال کی تہ بچھا کر اپنا سیاہ سفید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فوڈ اتھارٹی نے جانے کس بدخواہ کے کہنے میں آکر بھاری جرمانہ عائد کر دیا ہے۔ قسم کھا کر مال بیچتے ہیں اور پھر یہ احساس جان لیوا کہ مال سے برکت کہاں اُڑ کر چلی گئی؟

کیا کبھی بحیثیتِ مجموعی ہم نے اپنے رویّوں پر غور کیا ہے کہ آج مسلم اُمہ زوال کا شکار کیوں ہے؟ کیوں ہم پر بدعنوان حکمران مسلّط کر دیے جاتے ہیں؟ ہمارے خانگی معاملات کیوں لڑائی جھگڑوں کی نظر ہو رہے ہیں؟

اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم نے بحیثیتِ مسلمان دنیا کے چند روزہ عیش و آرام کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دے رکھی ہے۔ دینی تعلیمات اپنانے کو دقیانوسی تصوّرات کہہ کر ان سے جان چھڑانے لگ گئے ہیں۔

فجر کی نماز کے بعد کاروبار کرنے کا حکم ہے، لیکن ہم منافقین کی طرح رات گئے تک کھیل تماشوں میں وقت برباد کرنے لگے ہیں اور صبح سویرے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضری دینا جبری مشقت گمان کرنے لگے ہیں۔

جمعے کے وقت کاروبار بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم اپنے کاروباری معاملات میں عین نماز کے وقت اُلجھے ہوتے ہیں اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم مجموعی طور پر خود غرض ہو چکے ہیں۔

مختصراً عرض یہی ہے کہ امت کا زوال عروج میں تبھی بدل سکتا ہے، جب ہم اپنی زندگیوں کے چھوٹے بڑے معاملات میں قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ کیا ہم عالمِ ارواح میں ربُ العزّت سے کیا گیا وعدہ بھلا بیٹھے ہیں؟

ایک حدیث میں ہے: "مومن نہ تو طعنے دینے والا، نہ لعنت و ملامت کرنے والا، نہ فاحش (یعنی نہ بے شرم و بے حیا و بدکار) اور نہ زبان دراز ہوتا ہے۔" (جامع ترمذی)

بقول اقبالؒ

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اسلامی تہذیب و تمدّن کی خصوصیات

حفصہ سلطان

اسلامی تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے، جو اسلام کے اصولوں اور تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ تہذیب نبیٔ اکرم ﷺ کے دور سے شروع ہوئی اور بعد ازاں خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی اور دیگر اسلامی سلطنتوں کے دور میں پھلی پھولی۔ اسلامی تہذیب صرف ایک مذہبی تہذیب نہیں بلکہ ایک جامع نظامِ زندگی ہے جو دین، معاشرت، سیاست، قانون، علم، ادب، فنون اور معیشت سمیت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب، ثبات و تغیر کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔

واضح نصب العین: اسلامی تہذیب کا نصب العین اللہ کی رِضا کا حصول ہے۔ اس دنیا میں انسان کا مقصد اپنی زندگی کو اللہ کے احکام اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق گزارنا ہے، تاکہ آخرت میں کام یابی حاصل ہو۔ اسلامی تہذیب انسان کو ایک واضح نصب العین فراہم کرتی ہے جو اس کی دنیاوی اور اُخروی کام یابی کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی بنیاد میں عقیدۂ توحید، رسالت اور ایمان باآخرت ہیں۔

عقیدۂ توحید: اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت پر ایمان۔ اس عقیدے کے تحت مسلمانوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور شرک سے بچنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ عقیدۂ توحید سے مراد اللہ کو واحدہٗ لاشریک تسلیم کرنا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ اسلامی تہذیب نے توحیدِ الٰہی کے ساتھ ساتھ وحدتِ انسانی پر بھی زور دیا ہے۔ تمام انسان ایک نفس اور ایک جان سے پیدا کیے گئے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ جس نے تمھیں ایک جان (آدم علیہ السّلام) سے پیدا کیا (النساء: 1)

توحید اسلامی تہذیب کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تمام اسلامی اصول و قوانین کی بنیاد ہے۔

رسالتِ محمدی: اسلامی تہذیب میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کی زندگی اور سنت مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ رسالت محمدی کے ذریعے اسلامی تہذیب نے ایک جامع ضابطۂ حیات پیش کیا جو دنیا کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ایمان باآخرت: اسلامی تہذیب میں ایمان باآخرت کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ آخرت پر ایمان انسان کو اس بات کی یاد دہانی کرواتا ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اصل کام یابی آخرت میں ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی تہذیب کو ایک اخلاقی اور روحانی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے فرد اور معاشرہ دونوں اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام کے سارے نظام کی بنیاد احتساب یعنی جزا و سزا کے نظریے پر ہے۔ اس طرح اسلام نے یومِ آخرت کے عقیدے کو اپنے ضابطۂ اخلاق کے لیے ایک زبردست پشت پناہ بنایا ہے۔ اس کا نظام اپنی بقا کے لیے مادّی قوّت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ وہ ایمان باآخرت کے ذریعے انسان کے نفس میں ایک ایسے طاقت ور محاسب یعنی ضمیر کو بٹھاتا ہے جو ہر نیکی اور بھلائی کا محرّک بن جاتا ہے۔

علم و حکمت: اسلامی تہذیب میں علم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قرآن اور حدیث میں علم کے حصول کی تاکید کی گئی ہے اور مسلمانوں کو دنیاوی اور دینی دونوں علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسلامی تہذیب کے عروج کے دور میں مسلمان سائنس، فلسفہ، طب، اور دیگر علوم میں نمایاں ترقی کر چکے تھے۔ سورۃ بقرۃ میں فرمایا: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا اور جسے حکمت دی گئی، تحقیق اسے دی گئی بہت بھلائی (البقرۃ: 209)

مزید سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ: 257)

جو لوگ ایمان لائے اللہ اُن کا مددگار ہے، وہ انھیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی گمراہ کرنے والے ہیں، وہ انھیں نکالتے ہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اخوّتِ اسلامی: اسلامی تہذیب میں اخوّت (بھائی چارے) کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت، ہم دردی اور تعاون کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اخوّتِ اسلامی کا تصوّر مسلمانوں کو ایک عالمی برادری میں جوڑتا ہے، جس میں رنگ، نسل اور قومیت کی بنیاد پر تفریق نہیں کی جاتی۔

اسلام میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ بلاشبہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات: 10)

اِنسان کو اِنسان سے ہو بھائی چارہ
یہ پیغامِ محمد ﷺ کا ہے پیارا پیارا

مساواتِ انسانی: اسلامی تہذیب میں مساوات کا اصول بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں اور ان کے حقوق ایک جیسے ہیں۔ اسلام میں کسی بھی فرد کو رنگ، نسل، زبان یا مال و دولت کی بنیاد پر برتر یا کم تر نہیں سمجھا جاتا۔ ہر انسان کو انصاف اور حقوق کی فراہمی اسلامی تہذیب کا اہم پہلو ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اے لوگو! اللہ سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (النسا: 1)

یعنی تمام بنی نوع انسان بحیثیتِ انسان برابر ہیں۔

اسلامی عبادات مساوات کی بہترین ترجمان ہیں، ان میں نماز عملی مساوات کا بہترین وسیلہ ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال مرحومؒ نے فرمایا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

عدل و انصاف: اسلامی تہذیب میں عدل و انصاف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ہر فرد کو اس کے حقوق دینے اور انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا ہے، چناں چہ حکمِ الٰہی ہے: اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدۃ: 8) ”عدل کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔“

اسلام ہر شعبۂ زندگی اور ہر طبقۂ انسانی سے عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل: 90) ”بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔“

اسلامی تہذیب نے دنیا پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نے علم و فنون، فلسفہ، طب، ریاضیات اور تعمیرات میں نمایاں ترقی کی۔ یہ تہذیب مختلف اقوام اور ثقافتوں کے ساتھ میل جول کے ذریعے ایک عالمی ورثہ بن گئی۔ اسلامی تہذیب نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی متاثر کیا اور آج بھی اس کے اثرات دنیا کے مختلف حصوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ تہذیب اپنے اعلیٰ اخلاقی، روحانی اور علمی اقدار کے ذریعے دنیا کے لیے ایک مثالی نمونہ پیش کرتی ہے، جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔

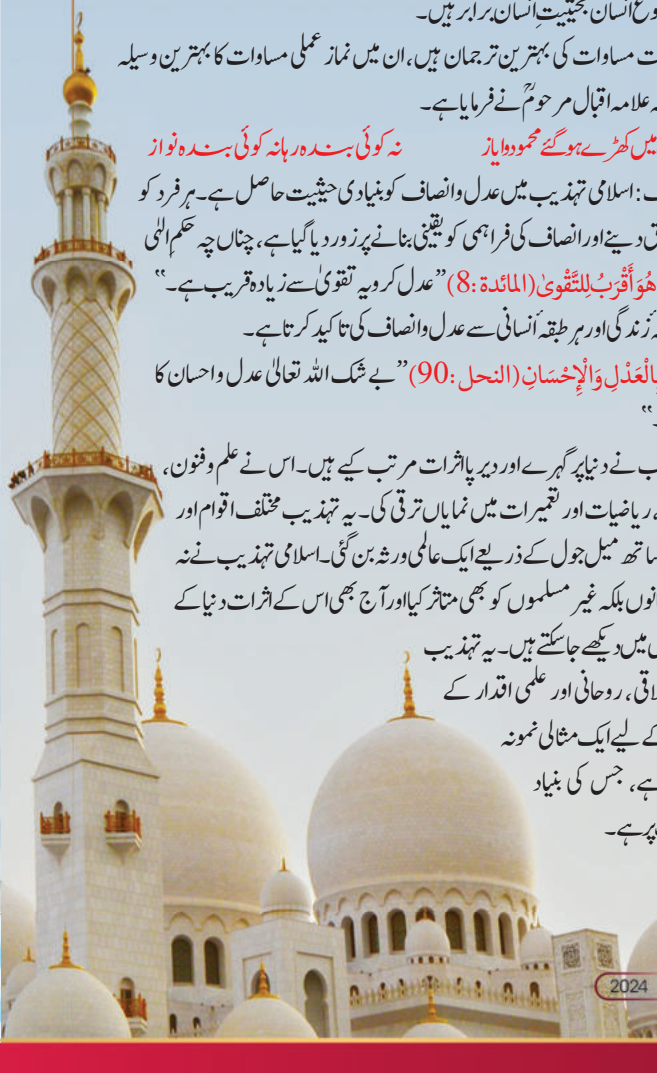

Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
SOFT PINK
LA PERFUME
DRY 300 ml
A WHOLE New WORLD OF Freshness
ProudlyMadeInPakistan

سورۃ المائدۃ کا اجمالی تعارف

سید رشید عطا

سورۃ المائدۃ مدنی سورت ہے۔اس میں کل 120 آیات اور 16 رکوع ہیں۔ ترتیبِ کتابی کے اعتبار سے قرآنِ کریم کی پانچویں جبکہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے ایک سو بارہویں اور مدنی مفصّل احکام کے لحاظ سے سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے۔

سورۃ المائدۃ کا شانِ نزول: اکثر حصہ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوا، کچھ حصہ صلح حدیبیہ سے واپسی کے وقت اور کچھ حصہ فتح مکہ کے سال نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ سورۂ مائدۃ آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ایک سفر میں عضباء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ وحی کے نزول کے وقت جو غیر معمولی ثقل اور بوجھ ہوتا ہے، اونٹنی اسے برداشت نہ کر سکی اور بیٹھ گئی۔ یہ سفر حجۃ الوداع تھا، جس کی واپسی کے بعد آپ (80) اسّی دن حیات رہے۔ سورت کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد سنہ 6 ہجری کے اواخر یا سنہ ۷ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی ہے۔

آیت نمبر 112 تا 115 میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے آسمان سے مائدہ یعنی کھانے کے ایک دستر خوان کے نزول کا مطالبہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے مائدہ کے نازل ہونے کی دعا کی۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورۂ مائدہ" رکھا گیا۔ اس سورت کے پندرہویں رکوع کی آیت هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ کے لفظ "مائدہ" سے ماخوذ ہے۔

سورۂ مائدۃ کے فضائل: اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَخَذَ السَّبْعَ الْأَوَّلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَهُوَ حِبْرٌ جس نے قرآن مجید کی پہلی سات سورتیں سیکھ لیں، وہ عالم ہے۔ (سلسلہ صحیحہ)

سات سورتوں سے مراد سورۂ بقرۃ، آلِ عمران، النساء، المائدۃ، الانعام، الاعراف اور التوبہ ہیں۔

اس سورت کی ایک آیتِ مبارکہ کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ان سے کہا "اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ، آپ اپنی کتاب میں ایک آیت کی تلاوت کرتے ہیں، اگر وہ آیت ہم یہودیوں کے گروہ پر نازل ہوئی ہوتی تو (جس دن یہ نازل ہوتی) ہم اس دن کو عید بناتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس یہودی نے عرض کی (وہ یہ آیت ہے:) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ: 3) "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور اس جگہ کو بھی جانتے ہیں، جس میں نبی کریم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی، (جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت) حضور پُر نور ﷺ جمعہ کے دن عرفات کے میدان میں مقیم تھے۔ (اور جمعہ و عرفہ دونوں مسلمانوں کی عید کے دن ہیں۔) (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

اس سورۂ مبارکہ کے تین مشہور نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ **مائدۃ:** کھانوں سے بھرا دستر خوان

2۔ **عقود:** عقد کی جمع ہے اور عقد کا معنٰی ہے وعدہ۔ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں عقود کا ذکر آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

3۔ **نجیہ:** عذابِ الٰہی سے بچانے والی، نجات دینے والی۔ اس سورت میں حلال و حرام سے متعلق جاننے کا ذکر کیا ہے۔ سورہ المائدہ کے موضوعات:

اس سورۂ مبارکہ کے دو موضوعات ہیں:

پہلا موضوع: اس سورۂ مبارکہ کا پہلا موضوع ہے، اہلِ عرب کی اصلاح اور مسلمانوں کے لیے ضروری احکام۔

دوسرا موضوع: اصلاح معاشرہ یعنی حلال و حرام کا نظام۔

سورہ مبارکہ کا خلاصہ: اس سورۂ مبارکہ میں چار مضامین اور ایک خاتمہ ہے۔

پہلا مضمون: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔۔۔وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (المائدۃ: 1 تا 11) جن میں حلال و حرام کا ذکر ہے۔ عہدِ الٰہی کی پابندی اور پاک معاشرے کی تشکیل کا تفصیلی بیان ہے۔

دوسرا مضمون: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ بَعَثْنَا۔۔۔ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (المائدۃ: 12 تا 31) عہدِ الٰہی سے انحراف (پھرنا) یا وعدہ توڑنا اور اس کے نتائج۔

تیسرا مضمون: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔۔۔يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (المائدۃ: 32 تا 40) عہدِ الٰہی کی پابندی اور پُر امن معاشرے کا قیام (نفاذ)۔

چوتھا مضمون: يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔۔۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (المائدۃ: 41 تا 108) عہدِ الٰہی کی پابندی اور اس کے ذرائع۔

خاتمہ: يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَآ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔۔۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (المائدۃ: 109 تا 120) احوالِ آخرت (مرنے کے بعد کے احوال) سے تذکیر یعنی نصیحت حاصل کرنا۔

سورۂ نساء کے ساتھ مناسبت: سورۂ مائدۃ کی اپنے سے ماقبل سورت "نساء" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ سورۂ نساء میں مختلف صریح اور ضمنی معاہدے بیان کیے گئے تھے، جیسے نکاح اور مہر کے معاہدے، وصیت، امانت، وکالت، عاریت، اجارہ وغیرہ کے معاہدے اور سورۂ مائدۃ میں ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تناسق الدرر، سورۃ المائدۃ، ص ۸۱)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے مردوں کو

نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا تھیں، جنھوں نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا تھا۔ جب یہ مقدّمہ بارگاہِ نبوت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلقِصَاصُ اَلقِصَاصُ'' کتاب اللہ کے فیصلے کے مطابق دانت کے بدلے میں دانت ہی توڑا جائے گا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے، جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور بعد میں انھوں نے حمیتِ اسلامی سے سرشار ہو کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا۔ وَاللّٰہِ! لَئِنِ اللّٰہُ اَشْہَدَنِیْ قِتَالَ الْمُشْرِکِیْنَ لَیَرَیَنَّ اللّٰہُ مَآ أَصْنَعُ (رواہ البخاری) اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے جنگ کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ خوب دیکھے گا، میں کیسے کارنامے انجام دیتا ہوں۔ چناں چہ غزوۂ اُحد میں بڑی جواں مردی سے کافروں کا مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم پر تلواروں نشتروں اور تیروں کے اسّی (80) سے زائد زخم لگے ہوئے تھے اور کافروں نے ان کا اس قدر بُرے طریقے سے مثلہ کیا تھا کہ ان کی بہن ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا انھیں پہچان نہ سکیں، بلکہ ان کی انگلیوں کے پوروں کی مدد سے انھیں پہچانا۔ غرض یہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میری بہن ربیع کا دانت توڑ دیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نعم! کتاب اللہ۔ ہاں! کتاب اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میری ہمشیرہ کا دانت نہیں ٹوٹے گا۔ آخر یہ قسم کیسی تھی؟ کیا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے شرعی حکم پر اعتراض کیا تھا۔ کیا انھیں نبی کریم ﷺ کا فیصلہ قبول نہ تھا۔ ہر گز نہیں! بلکہ انھوں نے یہ قسم اس لیے کھائی کہ انھیں اللہ کی ذات سے اُمید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو رائیگاں نہیں جانے دے گا، بلکہ ضرور کوئی دوسری صورت پیدا فرمادے گا۔ وہ اپنے رب ذوالجلال سے دعا کر رہے تھے، چناں چہ جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس (زخمی) عورت کے گھر والوں کے پاس جاؤ، اگر وہ لوگ تاوان پر راضی ہو جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ لوگ اس زخمی عورت کے گھر والوں کے پاس گئے، ان لوگوں نے تاوان پر رضا مندی ظاہر کر دی، حالاں کہ اس سے پہلے وہ راضی نہیں ہو رہے تھے۔ بلکہ وہ ربیع بنتِ نضر رضی اللہ عنہا کا دانت توڑنے پر مصر تھے۔ نبی کریم ﷺ کے چہرے مبارک پر مسکراہٹ چھا گئی اور آپ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے پھٹے ہوئے کپڑے اور ان کے دبلے پتلے جسم کی طرف دیکھنے لگے، پھر فرمایا: إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہٗ (رواہ البخاری) اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ (کے بھروسے) پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔

سورۂ مائدۃ اور عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ۔ (شعب الایمان) علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورۂ مائدۃ میں چوں کہ مردوں کے لیے بہت (زجر و توبیخ) ڈانٹ ڈپٹ ہے، اس لیے انھیں سورۂ مائدۃ سکھانے کا حکم دیا گیا اور سورۂ نور میں عورتوں کے لیے بہت (زجر و توبیخ) ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اس میں واقعہ اِفک اور زینت کے مقام ظاہر کرنے کی حرمت وغیرہ ان چیزوں کا بیان ہے، جو عورتوں سے متعلق ہیں، اس لیے انھیں سورۂ نور سکھانے کا حکم دیا گیا۔ (فیض القدیر)

سورت کے آغاز و اختتام میں مطابقت: سورت کے آغاز میں عہد و پیمان کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰٓأَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَہِیْمَۃُ الْأَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (المائدۃ: 1) اے ایمان والو اپنے قول (عہد) پورے کرو تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے اور اس سورت کا اختتام اس عہد و پیمان پر کیا گیا ہے، جسے سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا، مگر انھوں نے اسے ترک کر دیا اور ضایع کر دیا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

مَا قُلْتُ لَہُمْ اِلَّا مَا أَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَأَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا، مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تُو ہی ان پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (المائدۃ: 117) اور یہ اس لیے کہ عہد و پیمان کا پورا کرنا سچے مومنین کی صفات میں سے ہے۔

پپیتا

حکیم شمیم احمد

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کسی بھی نعمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان نعمتوں میں ایک نعمت پپیتا بھی ہے، لیکن بہت کم افراد اس کے طبّی فوائد سے واقف ہیں۔ بچوں اور بڑوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بوڑھے افراد روٹی کم کھاتے ہیں، ایسے میں اگر وہ پپیتا کھالیں تو اس کی غذائی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ نرم وملائم اور ذائقے دار پھل ہونے کی وجہ سے باآسانی کھالیا جاتا ہے۔ اس کو کھانے سے جگر کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جگر صالح خون بنانے لگتا ہے اور یوں جسمانی کم زوری دور ہو جاتی ہے۔ پپیتا ایک قدیم پھل ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جنوبی میکسیکو اور وسطی امریکا سے آیا۔ کولمبس میں بحیرۂ روم کے ایک سفر کے دوران اس بات کا مشاہدہ کیا کہ یہاں کے مقامی باشندے بہت صحت مند ہیں۔ اس کا کھوج لگایا تو پتا چلا کہ وہاں کے لوگ گوشت اور مچھلی کا استعمال کثرت سے اپنی غذاؤں میں کرتے ہیں، مگر انھیں پھر بھی بدہضمی کی شکایت نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ کھانے کے ساتھ تھوڑا سا کچا پپیتا ضرور کھالیا کرتے ہیں۔ پپیتے کا رس بدہضمی دور کرنے والی ادویہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پپیتا معدے میں تیزابیت کی سطح کو متوازن رکھنے کے لیے بہترین پھل ہے۔ یہ غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ پپیتے میں شکر کی مقدار خاص کر کم ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنا وزن کم کرنا چاہتے ہوں یا ذیابطیس کے مریض ہوں، ان کے لیے پپیتا ایک مفید پھل ہے۔ دوسرے پھلوں کے مقابلے میں پپیتے میں کیروٹین کی مقدار نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، جو جزوبدن ہونے کے بعد حیاتین (الف) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کیروٹین گاجر، چقندر اور سبز پتوں والی سبزیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ سیب، آم، کیلا، شریفہ اور امرود کے مقابلے میں پپیتے میں کیروٹین زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پپیتے میں کیلشیم، فولاد، تھیامین، رائبوفلاوین اور نیاسن کی کچھ مقدار بھی پائی جاتی ہے۔ حرارے اور سوڈیم بھی ہوتا ہے، البتہ پوٹاشیم کی خاص مقدار پائی جاتی ہے۔ کچا پپیتا سبزی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ گوشت گلانے کے بھی کام آتا ہے۔ تھائی لینڈ کے باشندے اپنے کھانوں میں پپیتا ضرور شامل کرتے ہیں۔ پپیتا کھانے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ سرطان سے بچانے میں مدد کرتا ہے۔ پپیتے میں موجود مانع تکسید اجزا سرطان پیدا کرنے والے خلیوں کے خلاف مدافعت کرتے ہیں۔ حیاتین (ج) اور ہ اور بیٹا کیروٹین مانع تکسید ہیں اور ہر قسم کے سرطان سے انسان کو محفوظ رکھتے ہیں، چناں چہ اگر آپ اپنی روزمرّہ کی غذاؤں میں پپیتا شامل کر لیں تو سرطان ہونے کے خدشے سے محفوظ رہیں گے۔ بہت سے معالجین کا خیال ہے کہ پپیتا وقت سے پہلے آنے والے بڑھاپے کو روکتا ہے۔ پپیتے میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ یہ غذا کو عمدہ طریقے سے ہضم کرتا ہے، لہٰذا جب غذائیت سے بھرپور چیزیں آسانی سے ہضم ہونے لگتی ہیں تو جسم سے بڑھاپے کی علامات بھی ختم ہونے لگتی ہیں اور اعضائے رئیسہ صحت مند رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ آنتوں کو صاف رکھتا ہے۔ پپیتے کا رس پینے سے بڑی آنت صاف رہتی ہے۔ پپیتے میں ریشہ ہوتا ہے جو آنتوں میں سفر کرتا ہے اور آنتوں کے زہریلے سرطانی عناصر کے خلاف مزاحمت کر کے انھیں ختم کر دیتا ہے۔ حقیقت میں یہ ان زہریلے سرطانی عناصر کو بڑی آنت سے بہا کر نکال دیتا ہے اور مانع تکسید ہونے کی بنا پر یہ زہریلے اثرات کا خاتمہ بھی کرتا ہے۔ پپیتا دل کے دورے اور فالج سے روک تھام کرتا ہے۔ پپیتا جو کہ مانع تکسید ہوتا ہے، اس لیے کولیسٹرول کو بھی کم کرتا ہے۔ جب کولیسٹرول آکسیجن کے ساتھ مل جاتا ہے تو ردِّعمل کے طور پر شریانوں میں خون کے تھکے بننے لگتے ہیں، جن کی وجہ سے حملہ قلب اور فالج ہو جاتا ہے۔ پپیتے میں ریشہ ہوتا ہے، اس لیے یہ کولیسٹرول کو گھٹاتا ہے۔ پپیتے کا ریشہ ضرر پہنچانے والے ایک مادے (Homocysteine) کو آمینو ترشے میں تبدیل کر دیتا ہے، جو نقصان دہ نہیں ہوتا ہے۔ ہیوموسسٹین شریانوں کو نقصان پہنچاتا ہے، اس طرح دل کے دورے اور فالج کا سبب بنتا ہے۔ پپیتا سوجن اور سوزش کو کم کرتا ہے، پپیتے میں پاپین شامل ہوتا ہے، یہ ایسا خامرہ ہے جو لمحیات کو ختم کرتا اور سوجن سوزش کو کم کرتا ہے۔ پپیتے کے ٹکڑوں کو جسم کے جلے ہوئے حصوں پر لگانے سے زخم جلد مندمل ہو جاتے ہیں، چناں چہ یہ جسم کے لیے فائدہ مند ہے۔ یہ برص، چنبل اور خارش کو بھی ختم کرتا ہے۔ اس سے مہاسوں کا بھی علاج کیا جاتا ہے۔ پپیتے میں حیاتین (ج) اور بیٹا کیروٹین ہوتے ہیں جو سوزش اور سوجن کو کم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ زیادہ پپیتا کھانا فائدہ مند ہے۔ کچے پپیتے سے نکلنے والا دودھ دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس دودھ کو ململ کے صاف کپڑے پر ڈال کر سوکھنے کے لیے رکھ دیں، خشک ہونے پر یہ دودھ محفوظ کر لیں۔ یہ خشک دودھ ہاضمے کو درست کرنے کے لیے انتہائی موثر ہے۔ پپیتے کے کچے اور پکے پھلوں کو غذا، دوا اور حسن کی بحالی میں مفید پایا گیا ہے۔ حسن کی بحالی کے لیے نسخہ نوٹ فرمالیں۔

ھوالشافی: پپیتے کا گودا 20 گرام　　بادام کا سفوف 10 گرام
جئی کا پاؤڈر 10 گرام　　شہد 10 ملی لیٹر

تمام اجزا کا سفوف تیار کر کے شہد ملا کر چہرے پر ہلکے ہاتھ سے مساج کریں اور دس منٹ تک لگا رہنے دیں، پھر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ یہ عمل جلد کی غذائی ضرورت پوری کر کے اسے شاداب کرتا ہے۔ پپیتے میں موجود طاقت ور انزائم تیزی سے کیل، مہاسوں، دانوں، جھائیوں اور جھریوں سے نجات دیتے ہیں۔

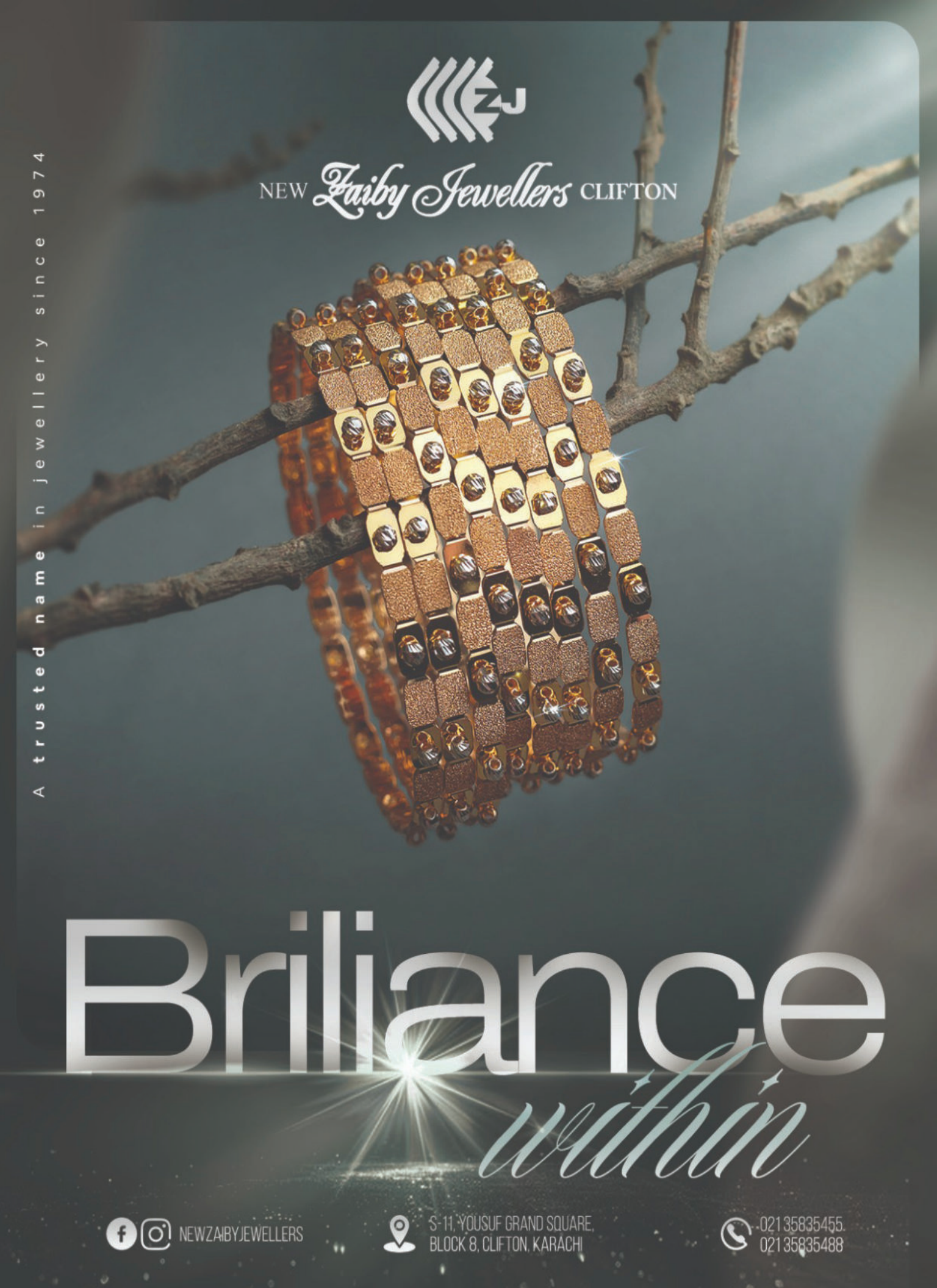

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
Briliance
within
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455,
021 35835488

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

مارکیٹ میں رائج بیع قبل القبض وغیرہ کا حکم اور ان کی درستی کا شرعی طریقہ

سوال: ہمارا تعلق کوکنگ آئل کے کاروبار سے ہے۔ بازار میں رائج مختلف طریقوں کا حکم معلوم کرنا مقصود ہے۔

بنیادی طور پر ہمارے ہاں تین طبقات ہیں۔

1. امپورٹر یا آئل ریفائنیز جو پام آئل یا کوکنگ آئل بیچتی ہیں۔
2. آئل ڈپو یا گھی ملز جو بازار سے پام آئل یا کوکنگ آئل خریدتی ہے۔
3. مذکورہ بالا دو طبقوں کے درمیان ٹریڈر یا مڈل مین تاجر ہوتے ہیں۔

پہلے مڈل مین جو معاملات کرتے ہیں، ان سے متعلقہ امور ذکر کیے جاتے ہیں:

(الف) مڈل مین امپورٹر سے مال خریدتے ہیں اور پھر گھی مل یا آئل ڈپو کو فروخت کرتے ہیں۔ مڈل مین کے پاس مال رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی، وہ جب امپورٹر سے مال خریدتے ہیں تو وہ مال امپورٹر کے پاس ہی رہتا ہے۔ اسی حال میں مڈل مین یا ٹریڈر اس کو فروخت کر دیتے ہیں، پھر مال کی ڈیلیوری اس طرح ہوتی ہے کہ ٹریڈر جب گھی مل کو سودا بیچ دیتا ہے تو گھی مل اپنے کسی ٹرانسپورٹ سے آئل ٹینکر کرایہ پر لے کر ٹریڈر سے مال کا مطالبہ کرتے ہیں، ٹریڈر حضرات اس ٹرانسپورٹ کو امپورٹر کے آئل ٹرمینل بھجوا دیتے ہیں، جہاں امپورٹر کا مال رکھا ہے اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا مال اس گاڑی والے کو دے دیں۔ یوں امپورٹر کی طرف سے تاجر کا مال اس گاڑی میں لوڈ ہوتا ہے اور تاجر اپنے پاس لوڈ کر لیتے ہیں کہ فلاں امپورٹر سے اتنا مال وصول ہو گیا اور فلاں گاہک جو گھی مل والا ہے، اس کو اتنا مال ڈیلیور ہو گیا۔

واضح رہے کہ مڈل مین ٹریڈر نے اس پورے عمل میں اس مال پر حسّی قبضہ تو کیا ہی نہیں اور نہ ہی اس کی جانب کسی مرحلے میں اس مال کا ضمان منتقل ہوا کہ کسی مرحلے میں مال کی ہلاکت مڈل مین تاجر کا نقصان شمار ہو، البتہ تاجر کے نام سے امپورٹر زبانی تحریر دے دیتا ہے کہ فلاں تاجر کو اتنا مال دے دیا جائے، اب خود گاڑیاں لگوا کر اسے اٹھوالے اور کہیں اتروا دے یا اپنے ہی کسی گاہک کو مال بیچ کر اسی کی گاڑیوں میں مال لوڈ کروالے۔

(ب) اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ امپورٹر سے پہلے ایک تاجر مال خریدتا ہے اور دوسرے تاجر کو سودا فروخت کر دیتا ہے، پھر کبھی یہ دوسرا تاجر بھی اپنا نفع رکھ کر کسی تیسرے تاجر کو سودا بیچ دیتا ہے، پھر بھی یہ سلسلہ چار، پانچ، چھ تاجروں میں بھی چلتا ہے، پھر آخری تاجر کسی گھی مل یا آئل ڈپو والے کو بیچ دیتا ہے۔

اب گھی مل والے اپنے مال تاجر سے مال کی ڈیلیوری کا تقاضا کرتا ہے تو یہ آخری تاجر اپنے بائع تاجر سے ڈیلیوری کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح امپورٹر تک مال کے حوالے ہوتے رہتے ہیں، بالآخر آئل ڈپو یا گھی مل والے کی گاڑی امپورٹر کے ٹرمینل پر جاتی ہے اور وہ مال لوڈ کر دیا جاتا ہے، اس طرح درمیان کے تمام تاجروں کا سودا ڈیو ہو جاتا ہے مثلاً:

امپورٹر نے زید کو بیچا، زید نے عمر کو بیچا، عمر نے بکر کو بیچا، بکر نے خالد کو بیچا۔ خالد نے گاڑی بھیجی اور بکر سے مال کا مطالبہ کیا، بکر نے کہا کہ یہ مال عمر سے لے لو، جب عمر سے مال مانگا گیا تو اس نے کہا کہ یہ مال زید سے لے لو، جب زید سے مانگا گیا تو اس نے کہا کہ یہ مال فلاں امپورٹر کے آئل ٹرمینل پر بھیج دو اور وہاں زید کہتا ہے کہ میرا مال اس گاڑی میں لوڈ کر دیں۔

اس صورت میں بھی کسی کا قبضہ نہیں آتا اور نہ ضمان منتقل ہوتا ہے۔ تمام مڈل مین حضرات نے صرف مال کے حوالے کیے، البتہ آخری صارف نے مال پر قبضہ کیا۔ مال کا ضمان یا تو امپورٹر کے قبضے میں تھا، اب گاڑی لوڈ ہو جانے کے بعد آخری صارف (جو مثال میں خالد ہے) کے ذمے ہے۔

سوالات:

1. اس قسم کے معاملات کا کیا حکم ہے اور ان سے حاصل ہونے والے نفع کا کیا حکم ہے؟
2. کیا مڈل مین تاجر کی اس مال پر قبضہ اور ضمان میں آنے کی کوئی صورت ہے؟ کیوں کہ اگر یہ حضرات مال اٹھا کر کہیں رکھوائیں تو آمدنی سے زیادہ کرایہ اور خرچہ لگ جائے گا۔
3. کیا کئی تاجر جب درمیان میں ہوں، جیسے کہ مثالِ سابق میں ذکر ہو چکی تو ان سب کا قبضہ و ضمان ثابت ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟
4. کیا صرف تاجر کا امپوٹر سے یہ کہہ دینا کہ ”میں اپنے خریدے ہوئے مال کا ضامن ہوں، جو آپ کے پاس رکھا ہے۔“ اس سے قبضہ و ضمان ثابت ہو جائے گا؟

واضح رہے کہ یہ کام ہول سیل میں بڑی مقدار میں ہوتا ہے مثلاً، عموماً ایک سودا 30 ٹن کا ہوتا جو ایک گاڑی کا مال ہے، روزانہ بازار میں 50 سے 100 گاڑیوں کے مال کی خرید و فروخت عام معمول ہے، کبھی اس سے کم اور کبھی اس سے بہت زیادہ مقدار کے سودے ہوتے ہیں۔

5. ایسی صورتِ حال میں قبضہ و ضمان ہر ہر تاجر کیسے حاصل کرے اس کی شرعی رہنمائی درکار ہے؟
6. کیا تاجروں کا یہ کہنا درست ہے کہ ”ہم مال کے نفع نقصان کے ضامن ہیں تو ضمان اور رسک کے بھی معاملے کے جائز ہونے کے لیے کافی ہے۔“ کیوں کہ مال کے ریٹ بڑی تیزی سے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، کوئی تاجر صبح ایک سودا لیتا ہے اور شام تک اس میں ہزاروں یا لاکھوں روپے کا نفع یا نقصان ہو جاتا (ریٹ کے تیزی سے بار بار کم و بیش ہونے کے سبب) ہے۔

نیز تاجروں کا یہ خیال کہ اپنے بائع کو پورے پیسے دینے کے ہم ذمے دار ہیں، چاہیں خریدار سے ملیں یا نہ ملیں یہ بھی تو رسک اور ضمان ہے، کیا یہ بات شرعاً ضمان کی شرط کے لیے کافی ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں جب مڈل مین تاجر، امپورٹر یا آئل ریفائنیز سے مال خریدنے کے بعد قبضے کے بغیر آگے کسی تیسرے شخص (ملز وغیرہ) کو بیچتا ہے تو اس قسم کے معاملات کا حکم بیوعات فاسدہ کا ہے، ایسی صورت میں بائع اور مشتری دونوں پر لازم ہے مذکورہ معاملے کو فسخ (ختم) کر کے نئے سرے سے معاملہ کریں، اگر اس قسم کے معاملے کو کسی بھی وجہ سے ختم نہ کیا جائے تو بائع (امپورٹر) کے لیے نفع حلال ہو گا، کیوں کہ وہ مالک اور قابض ہے، البتہ مشتری (مڈل مین/تاجر) نے مبیع کو آگے فروخت کر کے نفع کمایا تو مشتری ثانی (آئل ڈپو/کمپنی کے مالکان) اس کا مالک ہو جائے گا، لیکن مشتری اول (مڈل مین/تاجر) پر حاصل ہونے والے نفع کو صدقہ کرنا لازم ہو گا، کیوں کہ اس نے قبضے سے پہلے فروخت کیا ہے۔

2. مال پر مڈل مین تاجر کے قبضے اور اس کے ضمان میں آنے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تاجر

بقیہ 20 صفحہ پر

میراث

بنت حافظ یاسین

"علمِ میراث" جس کو علمِ فرائض بھی کہا جاتا ہے۔ نہایت اہم اور قابلِ قدر علم ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مقدّس میں خاص طور پر نہایت وضاحت کے ساتھ تعلیم وتاکید فرمائی ہے اور اسے فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ اور حُدُوْدُ اللہ جیسے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

تقریباً ہر مذہب میں ہی مرنے والے کے ترکے (چھوڑے ہوئے مال) کی تقسیم کا کوئی نہ کوئی طریقہ اور قانون مقرّر ہے، جس کے تحت وہ ترکہ تقسیم کرتے ہیں، لیکن اسلام نے تقسیمِ ترکہ کی جو وضاحت اور اہمیت بیان فرمائی ہے اور اس کے لیے جو صاف ستھرا اور عدل پر مبنی نظام قائم کیا ہے، اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔

"علمِ میراث" اس علم کو کہتے ہیں، جس سے میت کی ملکیت اس کے زندہ ورثہ کی طرف منتقل کی جاتی ہے اور اس کے ذریعے مستحقّین کو ان کے حقوق فراہم کیے جاتے ہیں۔

اس علم کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج، زکوۃ جیسی عظیم عبادات کا ذکر قرآن میں اجمالاً فرمایا، ان کے تفصیلی اور جزوی احکام بیان نہیں کیے، جب کہ علمِ میراث کی جزویات بھی بیان فرمائی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "علمِ میراث سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ میں انتقال کر جاؤں گا، علم اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے (علم اور علما کی قلّت کی وجہ سے صورتِ حال یہ بن جائے گی کہ) دو شخص فرائض میں اختلاف کریں گے، لیکن انھیں کوئی ایسا شخص دستیاب نہیں ہوگا، جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔" (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علمِ فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ یہ نصف علم ہے اور یہ پہلی چیز ہوگی جسے بھلا دیا جائے گا اور یہ پہلا علم ہوگا جو میری امت سے سلب کر لیا جائے گا۔"

آپ کے اس ارشاد کی تصدیق آنکھوں سے نظر آرہی ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں علمِ میراث کو آپ ﷺ نے نصف علم کیوں فرمایا؟

دیگر علوم میں زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور اس کے متعلّقہ احکام کا ذکر ہوتا ہے، جب کہ علمِ فرائض میں بعد الموت کے حالات ومسائل کا۔

اس علم کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ ہر آدمی اس کا محتاج ہے، حتیٰ کہ وہ بچہ بھی جو شکمِ مادر میں حمل کی صورت میں ہے، اس علم ہی کی بدولت اس بچے کے حصے کی تعیین ہوتی ہے، اس لیے اس کو "نصف علم" کہا گیا ہے۔

علما نے فرمایا کہ میراث کا ایک مسئلہ بتلانے پر دوسرے علوم کے سو مسائل بتلانے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

افسوس کہ اس قدر اہمیت کے حامل اور متبرّک علم سے علمی وعملی میدان میں لوگ متذبذب ہیں، بہت سے صوم وصلوۃ کے پابند حبِّ مال کی بادِ سموم میں جھلسے نظر آتے ہیں۔ کثرت سے حج وعمرہ کرنے والے بھی بیٹیوں، بہنوں اور دیگر حق داروں کے حقوق غصب کرنے جیسی بُری عادات میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے کسی کی زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لیا تو اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کی تہ تک دھنسایا جائے گا۔" (مشکوٰۃ شریف، باب الغصب والعاریہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا، اللہ اسے قیامت کے دن اس جگہ سے محروم کر دے گا جو اس کے لیے جنّت رکھی گئی تھی۔" (مشکوٰۃ، باب الوصایا)

ان لوگوں کی مثال اس نواب کی سی ہے، جسے اپنے جسم پر شیر کی شبیہ بنوانے کا شوق ہوا، جب مصوّر نے رنگ بھرنے کے لیے اس کے جسم میں سوئیاں چبھونی شروع کیں تو اسے بڑی تکلیف ہوئی، اس نے کراہتے ہوئے پوچھا: "ارے بھائی! یہ کیا بنا رہے ہو؟" کاری گر نے بتایا: "حضور! شیر کی دم بنا رہا ہوں۔"

نواب نے کہا: "دُم رہنے دو، آخر دم کے بغیر بھی تو شیر ہوتے ہیں۔" اس نے دُم چھوڑ کر ٹانگوں پر کام شروع کیا تو نواب صاحب پھر چلائے: "ارے بھائی! ٹانگیں رہنے دو، باقی حصہ بنا دو، کیا ضروری ہے کہ ٹانگیں بھی ہوں۔" مختصر یہ کہ وہ مصوّر منہ بنانے لگا تو نازک مزاج نواب پھر چلائے: "ارے بھئی! کیا منہ بھی بناؤ گے، ایسا کرو منہ رہنے دو باقی حصہ بنا دو۔" مصوّر نے دست بستہ عرض کیا کہ جناب: "ایسا شیر تو کبھی دیکھا نہ سنا، جس کے نہ منہ ہو، ٹانگیں ہوں نہ دُم ہو۔ آپ رہنے ہی دیجیے، شیر ہی نہ بنوایئے۔"

یہی حال ان صفِ اوّل کے نمازی حضرات کا ہے، جو دوسروں کا مال سمیٹ کر صدقہ وخیرات اور حج وعمرہ میں جنّت تلاش کرتے ہیں۔ بیٹیوں کو جہیز دے کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں کھینچا ہے۔ وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا

جب اس حکم کی طرف متوجہ کیا جائے تو تاویل کر کے اپنا آپ سچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ دراصل یہ وہی ٹیڑھی کھیر ہے جو بظاہر مشکل اور علم وعمل کے میدان میں نہایت مفید اور جنّت کا حقیقی حق دار بنا دیتی ہے۔

اسی لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں کی جائیداد محض اس وجہ سے ٹھکرا دی تھی کہ اس میں دوسرے وارثوں کا حق تھا، جو ادا نہیں کیا گیا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں عورت کو میراث سے بالکل محروم رکھا جاتا تھا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ماں اپنے سوتیلے بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی، جبکہ دوسری طرف مغربی کلچر میں ڈوبی خواتین وراثت سے عورت کو مرد سے کم حصہ ملنے پر "عورت پر ظلم" کے شکوے کرتی نظر آتی ہیں۔

اس کا جوابِ شکوہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہی کافی ہے کہ میرے رب کا حکم ہے کہ اس نے مرد کے مقابلے میں عورت کا حصہ کم رکھا ہے۔

اسلام نے زندگی کے کسی مرحلے میں بھی کفالت کا بوجھ عورت پر نہیں ڈالا۔ شادی سے پہلے اس کی کفالت کی ذمے داری والد یا بھائی پر ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر پر، اگر بالفرض شوہر انتقال کر جائے تو بیٹے اور دوسرے عزیز کفالت کرتے ہیں، کوئی بھی کفالت کرنے والا نہ ہو تو اس کی کفالت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

مسائلِ میراث کی پوری معلومات اس مختصر مضمون میں نہیں بیان کی جاسکتیں، چند مسائل ذکر کیے دیتے ہیں۔

ترکہ (میت کا چھوڑا ہوا مال) سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں۔

ترکے سے میت کے کفن دفن پر خرچ کیا جائے۔

پھر ترکے سے میت کا قرض ادا کیا جائے۔

پھر باقی ترکے کے تہائی حصے سے میت کی وصیت پوری کی جائے (اگر وصیت جائز ہو)

پھر باقی ترکہ میت کے شرعی وارثوں کے درمیان شریعت کے حکم کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

اگر کوئی شخص اپنا ترکہ نہ لے تو قاضی اس کو لینے پر مجبور کرے

بقیہ 20 صفحہ پر

مکافاتِ عمل

عذرا خالد

جب سے دنیا وجود میں آئی ہے، مکافاتِ عمل تب سے موجود ہے۔ مکافاتِ عمل کا تصوّر مختلف انسانی ادوار میں مختلف ثقافتوں میں نظر آتا ہے۔ مکافاتِ عمل ایک ایسا بنیادی اصول زندگی ہے، جس کے تحت ہر شخص کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال کا بدلہ اچھی چیزوں سے اور بُرے اعمال کا بدلہ بُری چیزوں سے ملتا ہے۔ مکافاتِ عمل ایک ایسا تصوّرِ زندگی ہے، جس کے اثرات مذہب اور اخلاقیات میں تو نظر آتے ہی ہیں، سماجی اور نفسیاتی زندگی میں بھی نمایاں طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

دینِ اسلام میں مکافاتِ عمل کا تصوّر: دینِ اسلام کی تعلیمات میں مکافاتِ عمل کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔

قرآنِ کریم میں مکافاتِ عمل کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ یہ اللہ کی مقرّر کی ہوئی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغوں) میں رہیں گے اور یہ زبردست کام یابی ہے۔

ایک اور آیت میں بُرے عمل کے نتائج کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرّر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی مکافاتِ عمل پر زور دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری) جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے اور بُرے اعمال کرے تو اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

مکافاتِ عمل کے فوائد: ہر ذی شعور انسان مکافاتِ عمل کے فوائد ذہن میں رکھے تو اس سے معاشرے میں برائیوں کا خاتمہ اور اچھے اعمال کو فروغ دینے میں کام یابی حاصل ہو سکتی ہے۔ بُرے اعمال سے معاشرے میں بدامنی، بے راہ روی، بے چینی اور غربت پھیلتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق آخرت میں اچھے کاموں کا بدلہ جنّت ہے اور بُرے اعمال کا بدلہ جہنم ہے، جہاں ہمیشہ کا عذاب اور تکلیف کا سامنا ہوگا۔

مکافاتِ عمل ذاتی زندگی میں بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ اچھے نیک اعمال کرنے سے انسان کا کردار صاف اور اچھا ہو جاتا ہے اور اس کو اطمینان اور خوش گوار زندگی کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ بُرے اعمال کرنے والا مستقل پریشان اور ناخوش گوار زندگی گزارتا ہے۔

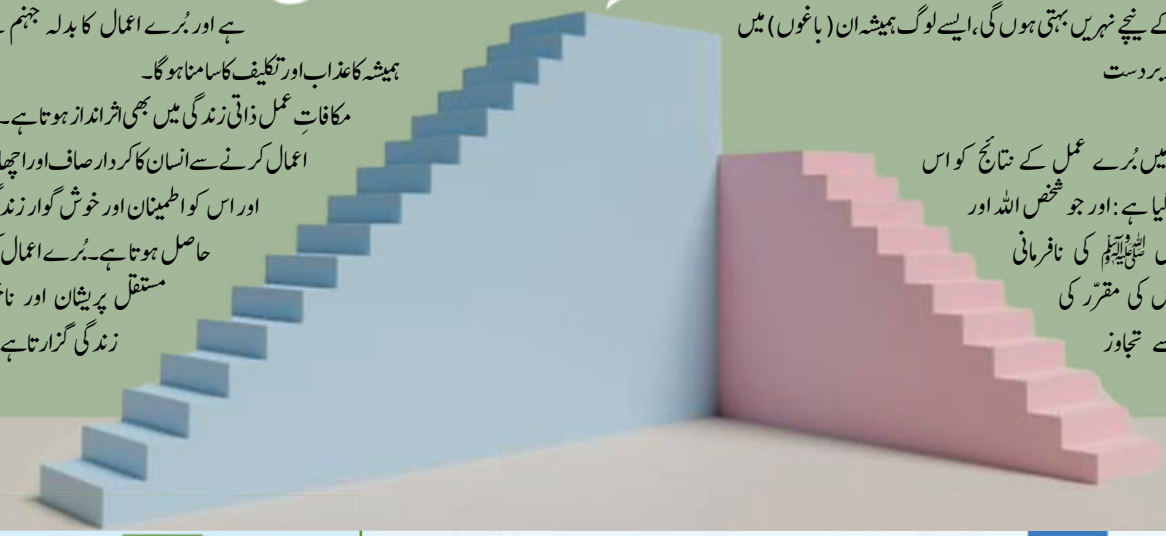

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

خود یا اس کا وکیل امپورٹر کی جگہ جائے اور امپورٹر، مڈل مین کا مال اپنے مال سے الگ کر کے رکھ دے اور وہ (مڈل مین) خود یا اس کا وکیل مال اپنی تحویل میں لے لے، اسے اختیار ہو کہ جب چاہے اپنا مال اٹھا لے تو ایسی صورت میں تاجر کا قبضہ اور ضمان ثابت ہو جائے گا، اگرچہ پھر مال اسی جگہ رکھا رہے یا مڈل مین تاجر، ملز وغیرہ کے مالکوں کو مال فروخت نہ کریں، بلکہ بیع کا وعدہ کریں اور مال، گاڑی پر حوالہ کرتے وقت مڈل مین تاجر یا اس کا وکیل متعیّنہ مال حوالہ کر دیں تو بھی معاملہ جائز ہوگا، یعنی قبضہ بھی صحیح ہو جائے گا اور بیع بھی صحیح ہو جائے گی۔

3 کئی تاجر درمیان میں ہونے کی صورت میں بھی تاجر اول کے لیے مبیع پر قبضہ آنے سے پہلے مال آگے فروخت کرنا درست نہیں ہے، اس کے صحیح ہونے کی صورت بھی یہی ہے کہ پہلے تاجر اول مال شق نمبر ۲ میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق اپنی تحویل میں لے لے اور پھر تاجر ثانی کو فروخت کرے، پھر اسی طرح تاجر ثانی مذکورہ طریقے کے مطابق مال اپنی تحویل میں لے کر تاجر ثالث کو فروخت کرے۔

4 صرف تاجر کا امپورٹر کو یہ کہہ دینے سے کہ ”میں اپنے خریدے ہوئے مال کا ضامن ہوں جو آپ کے پاس رکھا ہے۔“ تاجر کا قبضہ اور ضمان ثابت نہیں ہوگا۔

5 6 اس کا جواب شق نمبر تین اور چار میں آگیا ہے۔

بقیہ

میراث

گا، پھر بھی نہ لے تو قاضی اس کا حق اس کے گھر پہنچائے گا۔

”میراث“ ہر چھوٹی، بڑی چیز میں جاری ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر میت کی جیب میں ایک الائچی بھی تھی تو وہ بھی سب وارثوں کا حق ہے، کسی ایک شخص کے لیے کھانا جائز نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسائلِ میراث بہت حسّاس اور باریک ہوتے ہیں، ہر کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا، اس لیے جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کسی معتبر عالم سے دریافت کرنا چاہیے۔

قانتہ رابعہ

نادر کی کہانی

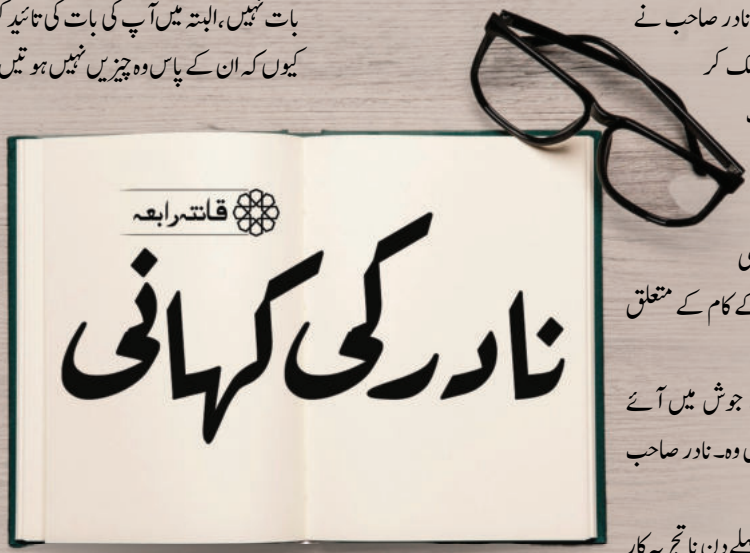

مظفر حسین صاحب کی ناگہانی وفات کے بعد کمپنی کے لیے مینیجنگ ڈائریکٹر کا انتخاب ہو چکا تھا، جو دنیا سے چلے گئے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، لیکن مظفر صاحب دنیا اور دنیا والوں کے لیے بہت اعلیٰ قسم کی چیز تھے۔

"دونوں ہاتھوں سے کماؤ اور لٹاؤ" ان کی زندگی کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔ نئے ایم ڈی نادر حسن صاحب کے بارے میں کمپنی کا کوئی ملازم کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ کمپنی کے سب سے سینئر اور جہاں دیدہ عزمی صاحب بھی نہیں۔۔۔

نادر صاحب آئے اور آتے ہی انھوں نے اوقات کار سے لے کر عملے تک میں تبدیلیاں کیں، یہاں تک تو سب ٹھیک تھا۔ لنچ بریک میں دس منٹ کے وقفے میں اضافہ کر کے پچیس منٹ کرنا، کون سی بڑی بات تھی۔ چاہو تو اس میں نماز ادا فرماتے، چاہو تو کھانے کے بعد آنکھیں موند کر دس منٹ کی نیند لے لو، گڑبڑ تو تب ہوئی جب کچھ چلتے پرزے قسم کے ملازمین کو نکال باہر کر کے بالکل نوآموز لوگوں کی تقرری کا فیصلہ ہوا۔ عزمی صاحب چیں بجبیں ہو کر نادر صاحب کے پاس پہنچے اور شعبہ اکاؤنٹ کے جمیل صاحب کی سبک دوشی اور نئے اکاؤنٹنٹ کے بارے میں لب کشائی کی۔

"سر! یہ جو اکمل حنیف صاحب اب ہمارے شعبہ اکاؤنٹ میں آئے ہیں، میں تو ان کے بارے میں کچھ اچھی رائے نہیں رکھتا۔" نادر صاحب نے عینک کے شیشوں سے انھیں جھانک کر دیکھا اور گویا ہوئے: "جنہیں آپ نے کام کرتے نہیں دیکھا، ان کے بارے میں رائے قبل از وقت ہو گی! آپ رائے کیسے اچھی یا بری قائم کر سکتے ہیں، جب ان کے کام کے متعلق جانتے ہی نہیں۔"

"یہی تو سر۔۔۔!" عزمی صاحب جوش میں آئے یہی تو بتانا چاہتا ہوں نا تجربہ کار ہیں وہ۔ نادر صاحب مسکرائے۔

"عزمی صاحب! آپ اور میں بھی پہلے دن ناتجربہ کار کہہ کر رد کیے جا سکتے تھے۔"

"نہیں سر! میں پرسنلی جانتا ہوں، وہ انتہائی پسماندہ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور کیسے ممکن ہے ان غریبوں کو منہ لگائیں تو یہ سر پر سوار نہ ہوں، توبہ کریں ان کو ذرا سی توجہ دے دیں تو یہ چوبیس گھنٹے آپ سے وقت اور توجہ مانگیں گے، ان کی تھوڑی سی مدد کر دیں تو یہ انگلی پکڑ کر پورے مال پر قبضہ جمالیں گے، یہ بہت گھٹیا قوم ہے، جناب آپ نہیں جانتے!" عزمی صاحب نے اپنی طرف سے بہت اچھا مشورہ دیا۔

"بس کریں عزمی صاحب! غربت کوئی گناہ اور غریب ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔" تحمل سے نادر صاحب نے جواب دیا۔

"لیکن سر آپ پچھتائیں گے، یہ غریب بڑے لیچڑ اور لسوڑھے ٹائپ ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ان کے دکھ درد کی داستان سن لو تو یہ قابو میں لے لیتے ہیں اور جی بھر کے لوٹتے ہیں۔" عزمی صاحب نے اپنی رائے سے دوبارہ آگاہ کیا۔

"بات یہ ہے کہ عزمی صاحب! میں تو آپ کو بہت عقل مند، خدا دوست اور ہم درد سمجھتا تھا، آپ تو میری توقع پر پورا نہیں اترے، معاف کیجیے! پہلے تصحیح فرمالیں کہ غربت جرم نہیں ہے، بلکہ ربُ العزت نے دولت تقسیم کر دی عقل کی طرح، کسی کو زیادہ کسی کو کم۔۔۔ اب جسے زیادہ دولت یا عقل عطا فرمائی، اس میں اس بندے کا تو کوئی کمال نہیں اور جسے یہ مال دولت کم دیا گیا، اس میں اس بندے کی کوئی غلطی تو نہیں تھی۔ یہ بس اوپر والے کی تقسیم ہے، تاکہ ہم سب ایک دوسرے کے کام آئیں۔" نادر صاحب نے آنکھوں سے چشمہ اتار کر صاف کرتے ہوئے کہا اور بولے۔

"کیا مجھ سے یا آپ سے پوچھا گیا تھا کہ کہاں کس گھرانے یا علاقے میں پیدا ہونا چاہتے ہو؟ نہیں نا! اسی طرح کسی کو محض دولت کے کم ہونے سے کم تر یا حقیر سمجھنا بہت شرمناک حرکت ہے اور بات یہ ہے عزمی صاحب کہ ہم سب کسی نہ کسی درجے میں بیک وقت غریب بھی ہیں اور امیر بھی۔" چشمہ آنکھوں پر لگاتے ہوئے نادر صاحب نے کہا۔

"وہ کیسے سر؟" عزمی صاحب نے بے اختیار پوچھا۔

"وہ یوں عزمی صاحب کہ آپ میرے لیے غریب ہیں کہ دولت میں مجھ سے کم ہیں، میں آپ کے لیے امیر ہوں کہ میرے پاس آپ سے کہیں زیادہ دولت موجود ہے، لیکن یہ بھی دیکھیں مجھ سے زیادہ دولت رکھنے والے کے لیے میں اس سے کم تر اور جو آپ سے نیچے قاصد چپڑاسی وغیرہ ہیں آپ ان کے لیے امیر ہیں، یوں انھیں قوم کہہ کر ان کا مذاق اڑانا، درست بات نہیں، البتہ میں آپ کی بات کی تائید کرتا ہوں کہ غریبوں میں تھوڑی سا لالچ ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے پاس وہ چیزیں نہیں ہوتیں، جو ہمارے پاس ہیں، جیسے مجھ میں ایک ذاتی چھوٹا سا جہاز خریدنے کی خواہش حسرت بنتی جا رہی ہے، البتہ ہمارے سیاست دانوں سمیت وہ لوگ جو فیکٹریوں اور جائیدادیں کے مالک ہیں، پھر بھی جھوٹ سچ سے کام لے کر وہ اپنے بنک بیلنس، کاروبار، جائیدادیں بڑھا رہے ہیں تو کیا وہ لالچی نہیں! ان کے پاس تو سب کچھ موجود بھی ہوتا ہے، پھر ان کی ہوس کی بھوک کیوں ختم نہیں ہوتی؟"

"جی سچ کہتے ہیں آپ!" خدا جانے عزمی صاحب سچ مچ قائل ہوئے تھے یا جان چھڑانے کے لیے ہاں میں ہاں ملائی، لیکن نادر صاحب نے ٹھنڈی سانس لی اور بولے: "تم میرے لیے نئے ہو اور میں تمہارے لیے۔۔۔ تمہیں میرے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ سارے غریب ایک جیسے ہوتے ہیں نہ سارے امیر، تم مجھے بس ایک سوال کا جواب دو" کیا تم بیگم امجد سلیم کے بارے میں جانتے ہو، وہ کون تھیں؟"

"سر مجھے بیگم امجد سلیم صاحبہ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ گورنمنٹ کالج کی لیکچرر تھیں۔" عزمی صاحب نے صوفے سے کمر لگائی کہ صاحب کا ارادہ اب لمبی داستان سنانے کا تھا اور بیٹھے بیٹھے ان کی کمر تھک چکی تھی۔

ٹھیک کہتے ہو، وہ نہ صرف گورنمنٹ کالج میں لیکچرر تھیں بلکہ کئی خیراتی اداروں کی رکن تھیں۔ ان کو اللہ نے ایک ہی بیٹا دیا تھا، جو بہت خوب صورت تھا۔ سات سال کی عمر میں اسکول جاتے ہوئے، اس بچے کا حادثے میں انتقال ہوا تو وہ بہت بیمار رہنے لگیں، انھوں نے اپنی آمدنی بہت سے خیراتی اداروں میں دی، لیکن اکثر وہ روتے ہوئے اپنے گھر کے بڑے سارے دروازے پر آ کر بیٹھ جاتیں، ان کے گھر کے دائیں جانب چھوٹا سا میرج ہال تھا، جہاں ارد گرد

کے لوگ شادی بیاہ منگنی جیسی تقریبات منعقد کرواتے اور ان کے گھر کے بائیں جانب بہت بڑا سا نجی اسکول تھا، جہاں پر ائمری تک کے بچے پڑھنے کے لیے آتے۔۔۔جب بچوں کی اسکول سے چھٹی کا وقت ہوتا وہ دروازے پر کرسی بچھا کر بیٹھ جاتیں اور اسکول میں سے نکلتے بچوں کو بہت حسرت سے دیکھا کرتیں۔کالج سے انھوں نے بیماری کی وجہ سے قبل از وقت ریٹائر منٹ لے لی تھی۔

دائیں جانب کے میرج ہال میں جب بھی کوئی تقریب ہوتی تو قریبی جھگیوں میں سے پکھی واس عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے، دھلنے والے برتنوں میں سے بچا ہوا کھانا نکالتے اور دونوں ہاتھوں سے مٹھی بھر بھر کر منہ میں ٹھونستے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بوٹیاں نکالتے اور کھاتے۔

بیگم امجد سلیم جب ان ننگ دھڑنگ بچوں کو دیکھتیں تو ان کے چہرے پر عجیب سی بے زاری آجاتی۔

ننگ دھڑنگ بچے، ناک بہتی ہوئی، گندے بال، میلا چیکٹ منہ وہ کراہت سے منہ پھیر لیتیں۔

دن کے وقت ہونے والی شادیاں بالعموم ڈھائی بجے کے قریب ختم ہو جاتیں۔اسی وقت وہ جھگیوں والے بچے بھی آتے اور اسکول کے بچے بھی نکلتے، صاف ستھرے ادب تمیز والے بچے دیکھ کر وہ بہت مرتبہ خوش ہوتیں۔

ایک مرتبہ پتا نہیں ان کے دل میں کیا آیا انھوں نے دونوں پاؤں سے ننگے بچے کو دیکھا جو چاولوں کی پرات میں بچے ہوئے چاول مٹھی بھر بھر کر کھا رہا تھا، آدھے نیچے گرتے اور آدھے منہ میں جاتے۔

انھوں نے چوکیدار سے کہا: ”جاؤ اور اس بچے کو بلا کر لاؤ۔“

چار پانچ سال کے بچے نے میلی کچیلی لمبی سی قمیص پہنی ہوئی تھی اور قمیص پچھلی جانب سے بہت بری طرح پھٹی ہوئی تھی۔خدا جانے اس قمیص کا اصل رنگ کیا ہوگا؟ فی الحال تو سوائے میل کے رنگ کے کچھ نہیں تھا۔

چوکیدار بچے کو گھسیٹتے ہوئے ان کے سامنے لایا۔

بچہ تھر تھر کانپ رہا تھا، سخت سردی میں اس کی ٹانگیں ننگی تھیں اور یہ اس کا ہی نہیں جھگیوں میں رہنے والے سارے بچوں کا یہی حال تھا۔ قمیص ہے تو شلوار نہیں، شلوار پہنی ہے تو قمیص نہیں! گرمیوں میں موٹے کپڑے اور سردیوں میں پتلے پتنگ!

بچے سے میل اور بہت مدّت تک نہ نہانے کی وجہ سے شدید بدبو آرہی تھی۔

بیگم امجد سلیم نے اپنی ناک پر دوپٹا رکھا اور اس کو پاس رکھے اسٹول پر بیٹھنے کے لیے کہا۔

بچہ ڈرتے جھجکتے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ انھوں نے پوچھا۔

بچہ کچھ دیر گم سم انھیں دیکھتا رہا، پھر بولا: ”بوتھا۔“

”کیا کہا بوتھا؟ بوتھا تو چہرے کو یا منہ کو کہتے ہیں۔ صحیح نام بتاؤ!“ وہ پریشانی سے بولیں۔

”میکو سارے بوتھا ہی کہتے ہیں۔“ وہ قدرے اعتماد سے بولا۔

”تمہارے کتنے بہن بھائی ہیں؟“ بیگم امجد سلیم نے پوچھا۔

”پنج بہنیں اور چار بھرا (بھائی)“ اس نے تیزی سے نام گنوانا شروع کیے۔

جندی، جانو، بلی، مریما، چھزادی، رشکانہ، بسم اللہ، تاجاں، کلامتے! اور۔۔۔، وہ سوچ میں پڑ گیا شاید ایک آدھ نام ذہن میں نہیں آرہا تھا۔

بیگم امجد کے چہرے پر مسکراہٹ آئی، انھوں نے اسے کہا: ”تمہیں میں روز یہاں بچا ہوا کھانا کھاتے دیکھتی ہوں، میرا بیٹا تمہاری شکل کا تھا، بالکل تمہارے جتنا، وہ اللہ کے پاس چلا گیا ہے۔ اپنی اماں کو لے کر آنا، میں تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔“

”اچھا جی!“ کہہ کر وہ بھاگتا ہوا گیا اور بچے ہوئے کھانے کے برتنوں کو چاٹنے میں مصروف ایک عورت کو اپنے ساتھ لے آیا۔

بیگم امجد نے اس دبلی پتلی عورت کو دو تین مرتبہ سر سے پاؤں تک دیکھا، وہ عورت بہت اعتماد سے کمر پر ہاتھ ٹکائے کھڑی تھی، پھر خود ہی زِچ ہو کر بولی: ”مینوں بوٹا لے کے آیا، اے بیگم صاحبا بلاتی ہیں۔“

تب انھیں سمجھ میں آیا کہ بوٹا دراصل توتلا ہے۔ بوٹا کو بوتھا اسی لیے کہا جا رہا تھا، خیر! مختصر بات یہ کہ انھوں نے کہا تمہیں معلوم ہی ہے، قریبی جھگیوں میں رہتی ہو، میرے اکلوتے بیٹے کو اللہ نے واپس لے لیا، اب میری کوئی اولاد نہیں، میں محمد بوٹے کو پڑھانا چاہتی ہوں، ایک افسر بنانا چاہتی ہوں، تم مناسب سمجھو تو میرے پاس ہی دن رات کے لیے چھوڑ سکتی ہو، چاہو تو شام کے وقت لے جایا کرو اور صبح چھوڑ جایا کرو۔ بیٹا تمہارا ہی رہے گا تم ہی اس کی ماں رہو گی۔

ماں نے بوٹے کے ابّے سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہا اور ساتھ ہی معاوضہ بھی مانگا۔ ہر ماہ ہزاروں کے حساب سے پکھی واسوں کے جس بچے کو بیگم امجد انسان بنانا چاہ رہی تھیں، وہ چالاک اور لالچی عورت اس کا معاوضہ طلب کر رہی تھی۔۔۔

اور بوٹے کو افسر بنانے کا منصوبہ بنانے والی بیگم امجد سلیم اپنا وقت، پیسہ، صلاحیت جس کے بیٹے پر خرچ کرنا چاہتی تھیں، وہ عورت اس کا احسان مند ہونے یا شکریے کی بجائے اس سے پیسے مانگ رہی تھی۔

گلی گلی محلے محلے کوڑے کی ڈھیریوں میں سے کاغذ پلاسٹک بوتلیں ڈھونڈنے والے بچے کی ماں نے اسے کاروبار سمجھا۔ یہ بیگم امجد کی اعلیٰ ظرفی تھی، انھوں نے تمام مطالبات تسلیم کر لیے اور وہ جنگلی اجڈ بچہ جسے کھانے پینے سونے جاگنے بولنے یہاں تک کہ رونے کا بھی طریقہ نہیں آتا تھا، جب کوئی چیز مانگنی ہوتی تو وہ حلق پھاڑ کر اونچی آواز سے روتا، ٹانگیں زمین پر مارتا۔۔۔

کھانا کھاتا تو ایسے کھاتا جیسے منہ میں سوراخ ہوں، جسے پاکی ناپاکی کا کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس بچے پر کیسے بیگم امجد نے دن رات محنت کی، کیسے اسے پڑھنے پر آمادہ کیا، کیسے اسے ہوم ورک کرواتیں، انگلی پکڑ کر ہر جگہ ساتھ رکھتیں، دس بچوں کی محنت ایک بچے پر صرف کر کے جب بوٹے کو پڑھ لکھ کر اچھا انسان بنایا تو بوٹے کی ماں اسے لینے آپہنچی۔

اس نے اُکھڑنے سے کہا: ”میرا پتر مجھے واپس دو، ورنہ میں کیس کر دوں گی!“

بیگم امجد سلیم نے تحمل سے اس کی بات سنی اور اسے اختیار دیا کہ وہ جب چاہے لے جا سکتی ہے۔

قدرت نے موقع ہی نہ دیا کہ وہ محمد بوٹا جس کے اوپر بیگم امجد سلیم کے بے پناہ احسانات تھے، وہ ان کی خدمت کر سکے۔ چپ چپاتے دنیا سے رخصت ہو گئیں، لیکن دنیا کو نادر کی شکل میں ایک دردِ دل رکھنے والا انسان تیار کر کے دے گئیں۔

وہ بچہ آج محمد نادر زمان کی شکل میں آپ کے سامنے کھڑا ہے، اب بتائیے عزمی صاحب! کیا سارے غریب اور سارے امیر ایک جیسے ہوتے ہیں؟ اصل میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک میں چند چن کر ان لوگوں کو جنہیں کیڑے مکوڑے کی حیثیت بھی نہیں ملتی، معاشرے میں باعزت اور پُر وقار مقام دلوا کر بیگم امجد سلیم کی نیکی اور احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں، آپ اگر رکاوٹ نہ بنیں تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔

ہر لحاظ سے مکمل شخصیت کے مالک خوبرو انسان ایک سرکاری کمپنی میں بڑے عہدے پر فائز محمد نادر اپنے سیکرٹری سے پوچھ رہے تھے۔۔۔

اور عزمی صاحب حیران پریشان ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔۔۔!!

ضیوفُ الرّحمٰن

تیسری قسط

عائشہ محبوب

ہم آگئے اور دعائیں تیز کر دیں۔ ایک دن پاسپورٹ اور ضروری کاغذات ان کی میز پر رکھ کر کھڑے ہوگئے کہ ہم نہیں جانتے بس 35 سے 40 دن کا آپ پیکج بنادیں، روانگی جون میں ہو اور ہو بھی مکتب D کیٹیگری، لیکن ہوٹل انتہائی نزدیک ہو۔

بس بسم اللہ پڑھ کر یہ پاسپورٹ رکھ رہے ہیں۔ پھر ہم تو آگئے اور بقول وسیم انکل کے کہ پہلے تو اتنی زیادہ مدّت کے زائر نہیں تھے، صرف 20 دن تک کے لیے لوگ رابطہ کر رہے تھے۔ اب 35 سے 40 دن والے آنا شروع ہوگئے اور اچھے خاصے جمع ہوگئے۔ فللہ الحمد، پھر ہر مرحلے پر بس۔

بلاوے کی منتظر ہوں لیکن — نہ صبح آیا نہ شام آیا

رونا تھا کہ بس ختم نہیں ہوتا تھا، آخر کو ویزہ آگیا۔ پر دل تھا کہ بے یقین، بے چین بالآخر یکم جون آیا اور گزر گیا اور گھڑی نے 12 بجے رات نوید سنائی کہ 2 جون شروع!! حقیقتاً ہم میاں بیوی اور ہمارے بچے یکم جون کی صبح کے اٹھے ہوئے، اُس رات سوئے نہیں، بس خوشی سے دل بے قابو تھا کہ صبح مدینہ منورہ کی فلائٹ ہے۔ بالآخر فجر کے بعد نکلے۔ بچوں کو تو رات ہی ان کی دادی کے گھر پہنچادیا تھا، اب ایئر پورٹ پر جہاں خوشی کی انتہا تھی، وہاں بس بچوں کی ذرا سی فکر تھی۔ چاروں کو گلے لگا کر جی بھر کر دیکھا اور پھر اس کے بعد نہ پلٹ کر دیکھا نہ پوچھا، بس فکر تھی تو مدینہ طیبہ کی۔۔۔ پی آئی اے کا جہاز تھا۔ اڑنے کی تیاری بھری، اڑتے ابھی 20 منٹ ہوئے کہ جہاز جھٹکے کھانے لگا، جو سوئے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے۔ ایئر ہوسٹس نے کلمہ اور استغفار پڑھنے کو کہہ دیا۔ آخر کوئی دس منٹ بعد جہاز قابو ہوا تو شکر کے کلمات بلند ہوئے۔ اس کے بعد بحفاظت مدینہ طیبہ کی سرزمین پر اترے، الحمد للہ!

ایئر پورٹ کے مراحل سے ہوتے ہوئے، میزبانوں کے پرتپاک استقبال کو دیکھتے خوش ہوتے بسوں میں سوار ہوئے اور آخر کار ہوٹل ارتال انٹر نیشنل جو کہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم سے انتہائی قریب تر تھا، پہنچے تو عصر کی جماعت ہو چکی تھی، سو اپنے کمرے میں نماز پڑھ کر فریش ہو کر دیارِ حبیب ﷺ کی گلیوں میں نکلے۔ کیفیت تھی کہ بیان سے باہر، خوشی تھی کہ بے قابو، بس! ہوش تھا تو یہ کہ بے ادبی نہ ہو اور سکون تھا تو ایسا کہ بس یہیں ہمیشہ کے لیے سو جاؤں۔ مسجدِ نبوی کی طرف اشکوں کے نذرانے سے پہنچی، عام سلامی کے اوقات اور ریاض الجنہ کی بابت معلومات لیں اور رات ۱ بجے ہوٹل واپسی ہوئی۔ لیکن دل کس کا لگتا، ہوٹل میں ڈھائی بجے اُٹھ کر فریش ہو کر دوبارہ روانہ۔۔۔ الحمد للہ! راستہ 5 سے 7 منٹ کا تھا، بس یاد ہو گیا۔ انھیں فون کیا اس وقت ہم شیئرنگ میں تھے اور کمرے ہمارے الگ الگ فلور پر تھے، سو مسجدِ نبوی کی طرف روانہ ہو گئی۔ نماز کے بعد گھومتے گھومتے گنبدِ خضرا کو ڈھونڈتے، اشراق پڑھتے ہوٹل واپسی ہوئی۔ پھر شوہر کے ساتھ عصر میں جا کر گنبدِ خضرا تک گئی۔ (ملاحظہ: گنبدِ خضرا کی درست ترکیب گنبدِ اخضر ہے، مدیر فہم دین) گیٹ نمبر حفظ کیا۔ بس دل تھا کہ ضبط کھو بیٹھا۔ آنکھیں تھی کہ ان کی تڑپ اور بڑھ گئی۔

ہمارا ٹریول والا گروپ ریاض الجنہ جا رہا تھا اور میں شرعی عذر میں تھی۔۔۔ اب میری حالت کہ میں ماہی بے آب! گروپ اندر چلا گیا اور اندر جانے کے لیے صرف آدھا گھنٹہ ملتا ہے، لیکن میں باہر کی جانب روتی دھوتی اکیلی بیٹھی رہی۔ چاشت کے 11:30 بجے خادمات نے یہ کہہ کر ہٹادیا کہ اب نماز ظہر کے لیے مردوں کی صفیں بنائی جائیں گی، ایسا خوب صورت شہر دنیا میں کہاں، جسے دیکھ دیکھ دل سیر اب نہ ہو، جسے آنکھیں ڈھونڈتی رہیں، روح تڑپتی رہے۔

میری اپنی باجی جان سے بھی ملاقات ہوئی اور حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی اور بھانجی سے بھی الحمد للہ! وہاں گھومتے گھومتے نہ پاؤں تھکتے نہ دل اور آنکھیں سیر اب ہوتیں، نیند نہیں آتی تھی۔ بمشکل دو سے تین گھنٹے نیند کرتی اس کے بعد آنکھ کھلتی تو پھر بس گنبد خضرا کے طواف کی فکر ہوتی۔ یہ آنکھیں آپ ﷺ کی دید کا کاسہ لیے پھرتی ہیں روز و شب کسی فقیر کی طرح۔۔۔

ایسا منظر زمانے نے دیکھا نہیں — جیسا منظر مدینے میں موجود ہے

تیونس کی ایک بہن ملیں، جن کا نام مریم تھا۔ انھیں جب میرا نام پتا چلا کہ عائشہ ہے تو ایسے گلے لگا کر تڑپ تڑپ کر روئیں کہ مجھ گنہگار کو شرمندگی ہوئی۔ دل سے دعائیں نکلیں کہ اس نام کی نسبت سے یہ ایسے محبت سے مل رہیں تو اللہ کرے اسم با مسمّیٰ کر دے مجھے۔۔۔ مجھے، جس نسبت سے یہ میرے عائشہ نام پر رو رہیں گلے لگا کر، ایسے ہی میرے دل کے سلطان ﷺ سر پر دستِ مبارک سجادیں میرے!!

آپ ﷺ کی یاد سے آنکھ بھرتی رہی — دل مچلتا رہا، روح تڑپتی رہی
دیجیے کچھ تسلی درد کی — سر پہ دستِ مبارک سجا دیجیے

(ساجدہ بتول)

مسجد نبوی کے ایک ایک حصے کو ہاتھ سے چھو کر محسوس کرتے۔ آخر ریاض الجنہ کے لیے آئی ڈی بن گئی، ایپ سے پرمٹ لیا، معلومات لیں اور پہنچ گئی۔ اب تین بار لائن، بار بار ٹکرائی، لیکن اس میں جو مزہ آیا اس نے اور تڑپ بڑھادی۔ دل کو سمجھاتے سمجھاتے باب السلام کے قریب پہنچی، اب اندر تو ریاض الجنہ سے کافی دور جگہ ملی، روضہ کریم ﷺ سامنے! سلام عرض کیا، آنسو چھلک پڑے دو نفل پڑھ کر دیوانوں کی طرح منبر جو دور تھا تکنے لگی: "اللہ وہاں تک پہنچادیں؟؟" اور جانے پھر کیسے دعا قبول ہوئی کہ وہاں موجود خادمات کو نظر نہ آئی ہوں گویا۔۔۔ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! منبر پاک ﷺ کے بالکل برابر میں ریاض الجنہ کے حصے میں پہنچ گئی۔ دائیں طرف منبر، بائیں طرف روضہ کریم ﷺ، الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ! اطمینان سے دو نفل پڑھے اور دعا مانگی، کچھ اشعار پڑھے کہ خادمہ آگئیں، پوچھا آپ فارغ ہو گئیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ کے منبر کو پیار سے دیکھا، اللہ کریم اور آقا ﷺ کا شکر ادا کرتے باہر کی راہ لی۔ فللہ الحمد! باہر نکلی تو کیفیت بے گانی تھی، جیسے اس اکرام نے مجھے جکڑ لیا ہو۔ کہاں میں گنہگار اور کہاں یہ کرم! (جاری ہے)

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی/پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

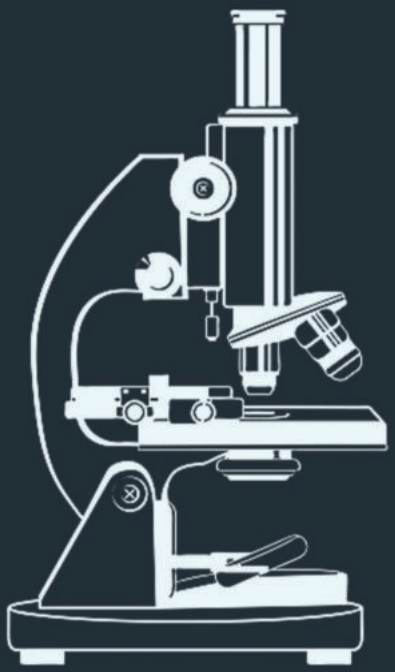

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

خوشیوں کا گہوارہ

ام محمد سلمان

”اب نہیں ہوتے خرچے پورے۔ حساب لگا لگا کر تھک جاتی ہوں میں۔ اس قدر مہنگائی ہو گئی ہے کہ کوئی حال نہیں! بس میں نے سوچ لیا ہے فیضان! اب میں بھی کہیں جاب کر لوں گی۔“ کمرے میں چھوٹی موٹی چیزیں سمیٹتے ہوئے وہ اپنے شوہر سے مخاطب تھی۔

”لیکن تم گھر اور چھوٹے بچے کے ساتھ جاب کیسے کرو گی روبی؟ احمد ابھی صرف دو سال کا ہے، اسے تمہاری ضرورت ہے اور پھر گھر کے سارے کام ہیں۔۔۔ کھانا بنانا، کپڑے دھونا، صفائی کرنا، مہمانوں کا آنا جانا، ہر کام میں حصے داری ہوتی ہے تمہاری اور شائلہ بھابھی کی۔ ٹھیک ہے امی بھی تم لوگوں کا ساتھ دیتی ہیں، کچھ نہ کچھ ذمے داریاں وہ بھی سنبھال لیتی ہیں، لیکن تمہیں پتا ہے نا زیادہ کام تو وہ بھی نہیں کر سکتیں! پھر کتنی مشکل ہو جائے گی تمہارے لیے۔“ وہ اس کی ذمے داریاں بڑھ جانے کا سوچ کر فکر مند تھا۔

”فیضان! میں سب مینیج کر لوں گی، میں بس آپ کی اجازت چاہتی ہوں اور کچھ بھی نہیں!! میں نے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے آخر کس لیے۔۔۔؟“

لیکن ایک بات یاد رکھنا روبی! میں کہیں مردوں کے ساتھ کسی دفتر میں کام کرنے کی اجازت تمہیں ہرگز نہیں دوں گا

”ارے میں کسی دفتر میں جا بھی نہیں رہی، یہیں قریب میں ہی ایک پرائیوٹ اسکول ہے، وہاں جانے کا ارادہ ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے، جیسے تمہیں مناسب لگے۔“ فیضان نے بھی اس کی ضد دیکھتے ہوئے اجازت دے دی۔ وہ بھی گھر کے حالات دیکھ ہی رہا تھا کہ دونوں بھائی مل کر بھی گھر کے اخراجات خوش اسلوبی سے نہیں اٹھا پا رہے۔ بیویوں کے بھی کچھ ارمان ہوتے ہیں، چھوٹی موٹی خواہشیں ہوتی ہیں، لیکن۔۔۔!! بچوں کے خرچے ہی اس قدر ہیں کہ بس! احمد کے ہفتے بھر کے پیمپر اور دودھ کے ڈبوں پر ہی پانچ چھے ہزار روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ مہینے کے بیس ہزار تو یہی ہو گئے۔ یہی حال دوسرے بھائی کا بھی تھا۔ دو چھوٹے بچوں کا ساتھ، ایک کو اسکول میں داخل کروا دیا اور دوسری بچی ابھی چھوٹی تھی، سو وہی اسکول کے اخراجات، فیڈر، ڈبے کا دودھ، پیمپر کے خرچے ہی والدین کو ہلکان کیے رکھتے۔ دونوں بہوؤں میں کافی انڈر سٹینڈنگ تھی، خلوص تھا، پیار تھا، اسی لیے ساتھ نبھ رہا تھا، ورنہ دلوں میں گنجائش نہ ہوتی تو اس چھوٹے سے گھر میں ساتھ رہنا مشکل تھا۔

روبی کو جاب مل گئی اور اسکول جانے لگی۔ وہ ایک اچھا پرائیویٹ اسکول تھا، ماحول تسلی بخش تھا، لیکن تنخواہ بہت کم تھی۔ شائلہ بھابھی اور ساس امی بھی اس کے ساتھ تعاون کرتیں۔

روبی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر نکلتی، چنگ چی میں بیٹھ کر اسکول پہنچتی اور وہاں آدھا دن تک بچوں کے ساتھ مغز ماری کرتی رہتی۔ واپسی میں پھر چنگ چی کا غیر آرام دہ اور جھٹکوں سے بھرپور سفر کر کے ڈیڑھ دو بجے تک گھر پہنچتی۔ پڑھائی کا دباؤ سر پہ سوار ہوتا، پھر گھر کے کام اور بچے کو بھی دیکھنا پڑتا۔ روبی ایک مہینے میں ہی اس معمول سے اُکتا گئی اور روزانہ گھر سے باہر نکلنا، چلنا پھرنا اسے عجیب سا ہی لگتا۔

بھلا یہ کیسی زندگی ہے۔۔۔ میں تو تھک کے چور ہو جاتی ہوں اور تنخواہ بھی اتنی کم ہے۔ پیسے بچانے کی خاطر رکشہ بھی نہیں لگوایا اور چنگ چی میں ہی دھکے کھاتی رہی، لیکن پھر بھی دس ہزار ہی پاس بچے۔۔۔ دو تین ہزار ایک ماہ کے کرائے میں لگ گئے۔ کل بارہ ہزار تنخواہ بھی کوئی تنخواہ ہے بھلا۔۔۔؟؟ اتنی محنت مشقت کے بعد کم از کم پچیس تیس ہزار تو ملنے چاہیے تھے مجھے! اس نے دکھ سے سوچا۔ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کا خون چوسنے کے لیے بیٹھے ہیں بس!! وہ غصے کی شدّت سے رو دینے کو تھی۔

شائلہ بھابھی بھی اس کی ہم خیال تھیں، وہ بھی کہنے لگیں۔۔۔۔

اس سے کہیں زیادہ تو ہماری پڑوسن فریدہ گھر بیٹھے کما لیتی ہے اور نخرے دیکھو اس کے۔۔۔ مزاج ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔ اس دن میں نے میسج کیا کہ بھئی میرا سوٹ سی دینا، فوراً منع کر دیا ”پلیز مائنڈ نہ کیجیے گا! میرے پاس سلائی کا کام پہلے ہی بہت ہے۔“ بڑی مشکل سے راضی کیا پھر اسے۔ ہاتھ کا ہنر بڑی بات ہے بھئی! آج خواتین گھر بیٹھے کیا کچھ نہیں کر رہیں بھلا۔۔۔! اس دن جوڑا سلوانے گئی تو کیسے منہ پھاڑ کے ایک ہزار روپے سلائی بتا دی فریدہ نے۔ بڑی مشکل سے نو سو میں راضی کیا اسے اور ہنر مند ایسی کہ ڈیڑھ دو گھنٹے میں سوٹ اتار دیتی ہے مشین سے۔ شائلہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”یا خدا! فریدہ دو گھنٹے میں ایک ہزار کما لیتی ہے اور میں روزانہ چھے گھنٹے محنت کرنے کے بعد اور گھر سے باہر کی خواری جھیلنے کے بعد بھی مہینے کے بارہ تیرہ ہزار ہی کما سکی۔“ روبی یہ کہتے ہوئے انتہائی دکھ سے شائلہ کی طرف دیکھنے لگی۔

”فریدہ کے پاس بے موسم بھی سلائی کا رش لگا رہتا ہے۔ قدرت نے ہاتھ میں صفائی ہی ایسی دی ہے کہ بس جو ایک بار اس کا گاہک بن جائے، پھر اسے کہیں اور کی سلائی پسند ہی نہیں آتی، اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔“ شائلہ نے مزید اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ کاش! میں بھی سلائی کڑھائی سیکھ لیتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ روبی نے حسرت سے سوچا اور بس ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

رات کو فیضان گھر آیا تو روبی نے اسے بتا دیا کہ اب وہ جاب پر نہیں جائے گی۔ فیضان ہنسنے لگا، حقیقتاً وہ اس کے فیصلے سے خوش ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کی پیاری بیوی باہر کے دھکے کھاتی پھرے۔

”شائلہ بھابھی! آپ کو تو اچھے بھلے کپڑے سینے آتے ہیں، آپ کیوں نہیں سلائی شروع کر دیتیں؟“

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں، جب روبی نے شائلہ سے یہ سب کہا۔

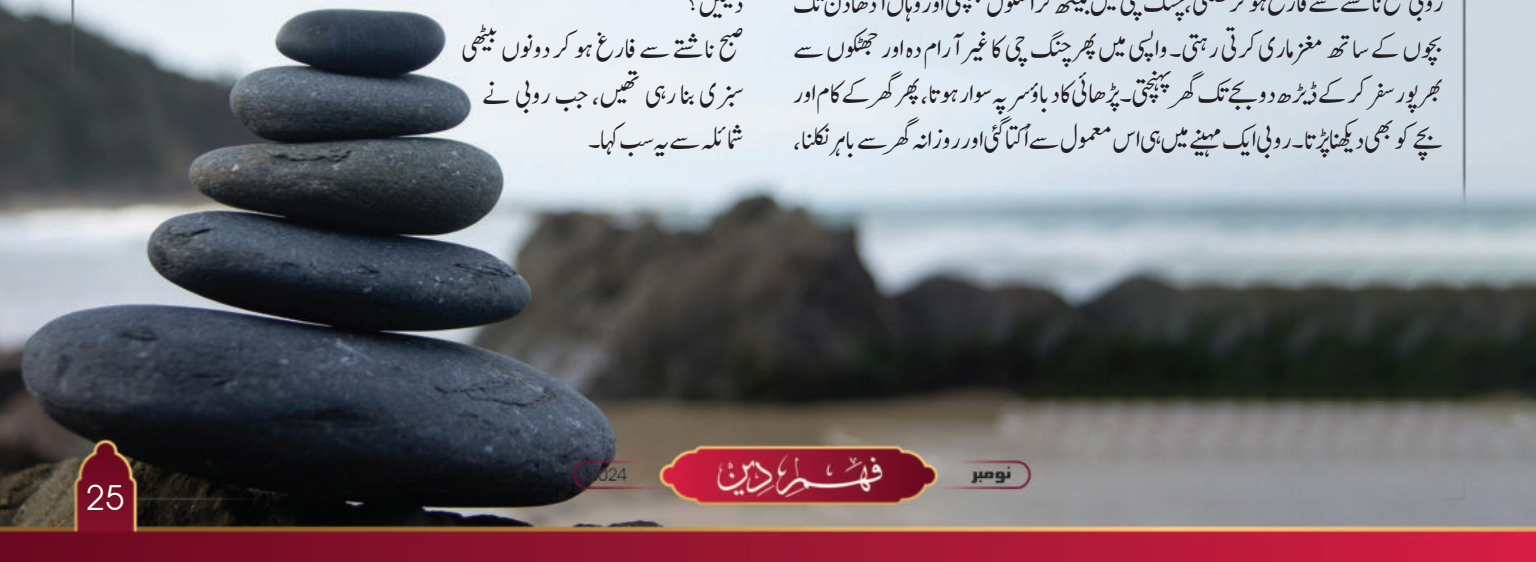

تربیتِ اولاد اقبالؒ کے ساتھ

ام محمد عبداللہ

علامہ اقبالؒ کی نظم بچے کی دعا بچوں کی ذہنی، فکری اور عملی تربیت کے حوالے سے ایک شاہکار ہے۔

علامہ اقبالؒ اس نظم میں بچوں کی معصوم بھولی بھالی سطح پر آ کر ان کی تربیت کر رہے ہیں۔

دعا کی صورت بچے کا رشتہ اللہ ربُّ العالمین سے جڑ رہا ہے۔ شمع کی خوب صورت مثال معصوم اذہان کو غور و فکر کی جانب لے کر جاتی ہے کہ جیسے اندھیرے میں شمع کا وجود روشنی بکھیرنے والا ہے، بالکل ویسا ہی انھیں بھی بننا ہے۔

آگے بڑھتے ہیں تو بچوں کو وطن کی رونق قرار دیتے ہوئے، ان میں وطن کی خدمت کا جذبہ ابھارتے ہیں۔ ایک طرف تو انھیں وطن کی مناسبت سے اپنی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری جانب یہ احساسِ ذمہ داری بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک مہکتا پھول جیسے پورے باغ کو پُر رونق اور معطر کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح انھیں بھی اپنے وجود سے اس وطن کی خوبصورتی میں اضافہ کرنا ہے۔

علم کی شمع کے گرد پروانے کی طرح منڈلانے کا درس دیتے ہوئے ایک طرف تو علامہ فطرت کا ایک رنگ بچوں کے سامنے لا رہے ہیں اور دوسری جانب حصولِ علمِ نافع کی جو لگن رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو عطا کی تھی، وہی اپنے بچوں میں جگا رہے ہیں۔

علم کے حصول سے آگے بڑھتے ہیں تو اب عمل کی راہیں بچوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ غریبوں اور کم زوروں کی مدد میں حقوق العباد جیسی عظیم عبادت سے چند لفظوں میں بچوں کو متعارف کروا جاتے ہیں۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے پیغام پر مبنی آخری شعر کہ اللہ نیکی کی راہ پر چلا دے اور ہر ہر برائی سے بچا لے، گویا نظم کا اختتام مقصدِ حیات بچے کے ہاتھوں میں پکڑا دیتا ہے۔

چند اشعار پر مشتمل اس نظم میں تعلیم و تربیت کے سمندر کو گویا اقبالؒ نے ایک کوزے میں بند کر دیا ہے۔

دل چسپی سے پڑھتے پڑھاتے اہم نظریات کچے اذہان میں بآسانی راسخ کیے جا سکتے ہیں، جو تمام عمر مشعلِ راہ بن کر جگمگاتے رہیں اور دنیا و آخرت میں کام یابی کے ضامن ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظم پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان کے مختلف پروگراموں میں پڑھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں بھی یومیہ سرگرمیوں کا آغاز اسی دعا سے ہوتا تھا، لیکن اب اس نظم کے پڑھنے پڑھانے کا رجحان کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے جنّت کے پھولوں کو علامہ اقبالؒ کا ان کے لیے لکھا گیا یہ نظمیہ تحفہ ضرور پہنچائیں، ورنہ کہیں ہم امانت میں خیانت کے مرتکب ہی نہ ہو جائیں۔

”ارے بھئی! یہ چھوٹے چھوٹے دونوں بچے مجھے کب سلائی کرنے دیں گے بھلا۔۔۔ ہر وقت تو ماں کے کندھوں پر سوار رہتے ہیں، ورنہ سلائی کا شوق تو مجھے بھی ہے۔ پتا ہے اپنی شادی کے سب کپڑے میں نے خود ہی سیے تھے۔“ وہ کچھ یاد کر کے مسکرائی اور دوبارہ پالک کے پتے توڑنے میں مصروف ہو گئی۔

”جی جی مجھے سب پتا ہے، آپ نے بتایا تھا نا۔ اور اب آپ نے بالکل ہی سلائی سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اپنے کپڑے بھی درزن کو پکڑا دیتی ہیں۔“

”ارے بس کیا کروں بچوں کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہوں روبی!“

”دیکھیں نا! ماریہ تو صبح سات بجے ہی اسکول چلی جاتی ہے اور ہم دونوں بھی دس بجے تک کافی کاموں سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور منیب تو اس وقت اماں ابا (ساس سسر) کے پاس ہی رہتا ہے زیادہ تر۔۔۔ تو اگر آپ چاہیں تو ان دو تین گھنٹوں یعنی صبح دس سے بارہ ایک بجے تک روزانہ سلائی کر سکتی ہیں۔“

”ہاں روبی! کہتی تو ٹھیک ہو، بات دل کو لگی ہے تمہاری۔ میری اپنی کزنیں اور خالہ چچی وغیرہ کتنی بار کہہ چکی ہیں کہ سلائی پر کپڑے سی دیا کرو ہمارے۔ ایک بار میرا ارادہ بن بھی گیا، لیکن فرقان نے منع کر دیا کہ اب کیا میری بیوی لوگوں کے کپڑے سیا کرے گی! نہیں بھئی، مجھے نہیں منظور!! بس پھر میں نے بھی انھیں منع کر دیا۔“

”ارے وہ تب کی بات تھی۔ اب حالات کافی بدل چکے ہیں۔ مہنگائی سے سب ہی پریشان ہیں اور رہی سہی کسر بجلی کے بلوں نے پوری کر دی ہے۔ اب منع نہیں کریں گے فرقان بھائی آپ کو۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو!!“ ثمائلہ خوش دلی سے بولی۔

پھر اس نے جیسے تیسے کر کے فرقان کو منایا اور اپنی سلائی مشین نکال کر خوب اچھی طرح صفائی کی اور اس میں تیل ڈال کر دو تین گھنٹوں کے لیے دھوپ میں رکھوا دیا۔ دوسرے دن اپنے جہیز کے کپڑوں میں سے ایک اَن سلا سوٹ نکالا اور کٹنگ کر کے سینے بیٹھ گئی۔ دوپہر ایک بجے تک وہ ایک اچھی سی ڈیزائن والی قمیص سی چکی تھی اور خوشی خوشی ساس اور دیورانی کو دکھا رہی تھی۔

پھر اس نے اپنے قریبی رشتے داروں کے کپڑے سینا شروع کر دیے۔ وہ بہت محنت اور صفائی سے کام کرتی۔ کچھ نہ آتا تو یوٹیوب سے دیکھ لیتی۔ باقی درزنوں کی نسبت اس نے اپنی سلائی کی اُجرت بھی کم رکھی، تاکہ گاہک زیادہ تر اس کے پاس آئیں۔ چھے سات مہینے میں اس کے اچھے خاصے گاہک بن گئے۔ وہ مہینے میں پندرہ بیس سوٹ آرام سے سی لیتی تھی، جن میں کچھ سادہ اور کچھ ڈیزائن والے ہوتے۔ ہر مہینے بارہ تیرہ ہزار کی آمدن آرام سے ہونے لگی اور اب تو اس کا ہاتھ کافی تیز چلنے لگا تھا، ایک دن میں دو جوڑے بھی آرام سے اتار لیتی۔

انسان جب کچھ کرنا چاہے تو سب کچھ ہی کر سکتا ہے، بشرطیکہ ارادہ اور نیت پختہ ہو۔

روبی کو بھی شادی سے پہلے گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا اچھا خاصا تجربہ تھا۔ اس نے بھی شام کے وقت بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ شام کے صرف ڈیڑھ دو گھنٹے وہ بچوں کو دیتی، محنت سے پڑھاتی اور اسکول کی نسبت کافی اچھا کمانے لگی۔ ساس سسر بھی کھلے ذہن و دل کے مالک تھے، بہوؤں پر بے جا روک ٹوک کرنے کی بجائے ان کا ساتھ دیتے اور ہمت بڑھاتے، یوں ایک گھر تنگ دستی سے خوش حالی کا سفر کرنے لگا۔

دونوں بہوؤں کی عقل مندی اور فراست کام آئی۔ ایک دوسرے کے لیے خلوص اور خیر خواہی کے جذبے نے ان کی کافی مشکلیں آسان کر دیں۔ دونوں ایک دوسرے کا بھرپور ساتھ دیتیں اور اب وہ اپنی اور بچوں کی بہت ساری خواہشیں اور ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتی ہیں۔ ایک ایک چیز کے لیے ترسنا اور پریشان ہونا نہیں پڑتا۔ کبھی کبھار کوئی اچھی چیز ساس سسر اور دیگر گھر والوں کی ضرورت کی بھی لے لیتی ہیں۔ سوچ بدلی اور ذرا ہمت سے کام لیا تو گھر بھی خوشیوں کا گہوارہ بن گیا۔

اس کہانی کا بہترین عنوان منتخب کیجیے اور تین سو روپے انعام حاصل کیجیے، عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 نومبر ہے۔ صفحہ 41 بھی دیکھیے

بلا عنوان

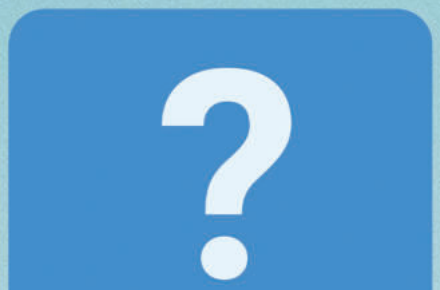

دانیال حسن چغتائی

ہماری یہ زمین جس پر انسان بستے ہیں، نہایت عجیب و غریب اور بے حد دل چسپ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ کرۂ ارض پر انسانی زندگی کی ابتدا دو شخصیتوں سے ہوئی، یعنی حضرت آدم علیہ السّلام جو زمین پر سب سے پہلے انسان اور پہلے نبی تھے اور ان کی زوجہ حضرت حوّا علیہا السّلام جو پہلی خاتون تھیں۔ اُن کی اولاد میں دو بیٹے بھی شامل تھے۔ ایک کا نام ہابیل تھا اور دوسرے کا قابیل۔ ہابیل عمر میں چھوٹا تھا۔ وہ بے حد شریف، ملنسار اور ہنس مکھ تھا۔ اس کے برعکس اس کا بڑا بھائی قابیل خود غرض اور تلخ مزاج نوجوان تھا۔

دونوں لڑکے جوان ہوئے تو انھیں کمانے کی فکر ہوئی۔ قابیل نے کھیتی باڑی اختیار کر لی اور ہابیل چرواہا بن گیا۔

اُس زمانے میں رواج تھا کہ لوگ اللہ کے حضور قیمتی چیزیں بطور نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔ نذرانے کی یہ چیزیں کسی اونچی جگہ پر رکھ دی جاتی تھیں، پھر آسمان سے آگ کا ایک شعلہ نمودار ہوتا اور جس شخص کی نذر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی اُسے وہ شعلہ نگل جاتا۔ ان دونوں بھائیوں نے بھی یہی کرنا تھا۔

ہابیل سیدھا سادہ اور نیک سیرت چرواہا تھا۔ اُس نے اپنے ریوڑ میں سے نذرانے کے لیے سب سے عمدہ بکرا چن لیا۔ قابیل اکھڑ اور کم فہم کسان تھا۔ وہ اپنے کھیت پر چلا گیا اور گھٹیا قسم کا غلہ نذرانے کے لیے نکال لایا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے نذرانے اونچی جگہوں پر رکھ دیے اور بے تابی سے نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔

اتنے میں آسمان سے آگ کا شعلہ نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہابیل کے بکرے پر لپک کر اسے نگل گیا۔ قابیل کا گلا سڑا غلہ جوں کا توں پڑا رہا۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کا نذرانہ قبول اور قابیل کا مسترد کر دیا ہے۔

نذرانے کی قبولیت میں ہابیل کی جیت کا مطلب یہ نکلا کہ اس کی نیت ٹھیک ہے اور اللہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔

ہابیل کے نذرانے کی قبولیت کے بعد سارا جھگڑا ختم ہو جانا چاہیے تھا، مگر ایسا نہ ہوا، بلکہ اس کے برعکس معاملہ اور سنگین صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ قابیل نے ہابیل کے نذرانے کی قبولیت کو اپنی توہین سمجھا۔ اُس کے غصے میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا اور وہ آپے سے باہر ہو گیا۔

ہابیل کی طرف مشتعل نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ بولا: ”میں کسی روز تمھیں ختم ہی کر دوں گا۔“

تم اپنے ارادے میں ہرگز کام یاب نہ ہو سکو گے۔ ہابیل بڑے تحمل سے بولا: ”تم میرے خلاف جو جی چاہے کرتے پھرو، مگر میں تو بھائی کے خلاف لڑنے سے رہا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا نذرانہ قبول فرما لیا اور تمہارا مسترد کر دیا تو بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے؟ نذرانے کی قبولیت نیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دھونس دھمکی اور طاقت کا استعمال بالکل پسند نہیں۔“

قابیل غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ ہابیل نے اُسے بہت سمجھایا مگر بے سود! اس روز قابیل کے سر پر غصہ سوار تھا۔ معاملہ حد سے بڑھتا ہوا دیکھ کر ہابیل سہم گیا۔ صلح صفائی کی خاطر وہ چپکے سے ادھر ادھر کھسک گیا اور قابیل کی نظروں سے اوجھل رہنے لگا۔

قابیل حسد و انتقام کی آگ میں بری طرح جل رہا تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے اپنے بھائی کو فوراً ٹھکانے لگا دینا چاہیے، مگر مشکل یہ تھی کہ اسے قتل کرنے کا کوئی طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ کیوں کہ زمین پر ابھی تک قتل کی کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔

اچانک شیطان انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔ وہ ایک ہاتھ میں مرغ تھامے ہوئے تھا۔ اُس نے مرغ زمین پر لٹا دیا اور پھر ایک پتھر اُس کے سر پر دے مارا۔ بے چارا مرغ لہولہان ہو کر وہیں ختم ہو گیا۔

قابیل یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اُسے جان سے مارنے کا فن سمجھ آ گیا، چناں چہ وہ اب مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔

ایک رات ہابیل گہری نیند سویا ہوا تھا۔ قابیل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، زمین سے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور بھائی کے سر پر دے مارا۔ ہابیل فوراً چل بسا۔ زمین پر یہ پہلا انسانی قتل تھا اور تھا بھی کس قدر بھیانک کہ مقتول اور قاتل آپس میں سگے بھائی تھے۔

ہابیل کی خون آلود لاش ابھی وہیں پڑی تھی۔ قابیل اُس کے پاس پریشان کھڑا تھا۔ اب اُسے یہ خیال ستانے لگا کہ اُس نے کوئی بہت ہی بری حرکت کر ڈالی ہے۔ اُسے اپنے کیے پر سخت ندامت اور تشویش محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بہت پشیماں تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ لاش کو ٹھکانے کیسے لگائے۔ اسی شش و پنج میں اُس نے لاش کندھے پر اٹھا لی اور مارا مارا پھرنے لگا۔ کچھ وقت بعد لاش سے بدبو آنے لگی۔ اس سے قابیل اور بھی پریشان ہوا۔ ادھر لاش کی بدبو بڑھتی چلی جا رہی تھی، ادھر اس کے ضمیر کی ملامت بھی شدید ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اُس نے ایسے محسوس کیا جیسے وہ اپنے حواس اور توازن کھو رہا ہو۔

اسی عالم میں یوں پھرتے پھراتے اُس نے دو کوّوں کو لڑتے دیکھا۔ ایک مختصر، مگر شدید جھڑپ کے بعد ایک کوّا زخمی ہو کر گرپڑا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ دوسرے کوّے نے چونچ سے فوراً ایک گڑھا کھودا، مردہ کوّے کو گھسیٹ کر اُس میں دبا دیا اور پھر سے اُڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

قابیل ساری بات سمجھ گیا۔ اُس نے فوراً ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور بھائی کی لاش کو اس میں دفن کر دیا۔

جب ہابیل پُراسرار طور پر اچانک غائب ہو گیا تو والدین کو سخت تشویش ہوئی۔ ایک دن حضرت آدم علیہ السّلام نے قابیل سے بھائی کی گمشدگی کے بارے میں پوچھا تو وہ بہت برہم ہوا۔ اُس نے بڑے گستاخ انداز میں جواب دیا: ”مجھے کیا پتا؟ کیا آپ نے مجھے ہابیل کا دربان سمجھ رکھا ہے کہ مجھے اُس کی ہر حرکت کا علم ہو؟“

حضرت آدم علیہ السّلام بہت ہی دانا نبی تھے۔ دراصل انھیں اپنے مجرم بیٹے کی حرکت کے بارے میں سب علم ہو چکا تھا۔ پیارے بیٹے کی المناک جدائی سے ماں باپ پر رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس دردناک سانحے کے بعد کسی نے انھیں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

بھائی کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد قابیل کی حالت اور بگڑ گئی۔ اُس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ بے حد افسردہ اور گھٹا گھٹا سا رہنے لگا۔ اُسے رات دن معصوم بھائی کی یاد ستانے لگی۔ اپنے کیے پر ندامت اور پشیمانی سے اُس کا برا حال تھا۔ اُس نے باپ کی نافرمانی کی تھی اور اپنے چھوٹے بھائی کو بلاوجہ قتل کر ڈالا تھا۔ اُس کی زندگی سے سکھ چین ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔ اُس کے چہرے سے وحشت ٹپکتی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر ٹکریں مارتا پھرتا تھا۔ لوگ اُس کی بھیانک شکل و صورت سے خوف کھاتے تھے۔ وہ جدھر سے بھی گزرتا اُس پر پھبتیاں کسی جاتیں اور پتھر پھینکے جاتے۔ اس کی زندگی سراپا عذاب بن چکی تھی۔

پھر ایک دن کیا ہوا کہ ایک شریر لڑکے نے ایک بڑا سا پتھر بڑے زور سے اُس کو دے مارا، جس طرح اس نے بھائی کو مارا تھا۔ پتھر اُس کے سر پر لگا اور خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ اُس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دم توڑنے کے بعد بھی اُس کے سر سے خون مسلسل بہتا رہا۔ یوں انسانی تاریخ کا پہلا قاتل اپنے عبرت ناک انجام کو جا پہنچا۔

گونجتی آوازیں

پہلی قسط

امۃ اللہ

شام کا ٹھنڈا سہانا موسم، چھت پر شاہین اکیلی بیٹھی ہے۔ شہزین ٹرے میں گرما گرم چائے اور تیکھے مسالے والے پکوڑے سجا کر پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ صاحبہ بلیک جوڑا پہنے ریمو آئس کریم سے شوق فرما رہی ہیں۔ شہزین کہنے لگیں:

"ہائے اللہ، شاہین! تم اپنی آپا کے بغیر ریمو آئس کریم کھا رہی ہو!" شہزین نے ٹرے میز پر رکھی اور شاہین کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"آپا! مجھے غصہ آرہا تھا اور آپ جانتی تو ہیں ہی کہ میرا غصہ ریمو آئس کریم سے ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ لیں آپ چاکلیٹ کھائیں۔" شہزین نے منہ پھلا کر کہا: "اچھا! ہمیں غصہ آئے تو ہم چاکلیٹ پر گزارا کریں اور آپ محترمہ کے لیے ریمو آئس کریم؟"

"آپا! وہ کیا ہے نا آپ نرم مزاج ہیں۔ آپ کا غصہ ہلکا ہوتا ہے، وہ اسی سے ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا غصہ زیادہ گرم ہے، اس لیے مجھے مجبوراً آئس کریم کھانا پڑتی ہے۔" شاہین کھینچ کھینچ کر دلیلیں دینے لگی اور پھر یک دم قہقہہ لگا کر شہزین کا منہ آئس کریم سے بھر دیا۔

"یار آپا! میں مذاق کر رہی تھی۔ آپ تو سیریس ہو جاتی ہیں، آپا! اب میں چلتی ہوں، میرے لیے دعا کیجیے گا، امتحانات قریب ہیں۔ آپا اگر اس بار میں فرسٹ آئی تو سچ آپ کو ایک زبردست سوٹ بنا کر دوں گی۔" شاہین گیٹ کے قریب کھڑی شہزین کو لالچ دینے لگی۔

شہزین اور شاہین دونوں جڑواں بہنیں ہیں، شاہین یونی ورسٹی کی اسٹوڈنٹ اور شہزین مدرسے کی طالبہ ہے۔ شاہین کو رنگ برنگی چیزیں بہت پسند تھیں۔ شہزین خاموش اسے دیکھتی ہی رہی، جب بھی شاہین جاتی تو شہزین کو ایسا لگتا تھا کہ زندگی ہی شاہین کے ساتھ چلی گئی۔ شاہین میں قوسِ قزح کا ہر رنگ تھا۔ اس کا غصہ، اس کا پیار، اس کا روٹھنا اس کا منانا اور سب سے نایاب اور خوب صورت رنگ مسکراہٹ کا رنگ تھا۔ شہزین اللہ سے ہمیشہ یہ دعا کرتی تھی کہ اللہ اس پیاری سی مُسکان کو صدا سلامت رکھے اور اس کے اس حسین رنگ کو کسی کی کالی نظر نہ لگے۔

ابھی شاہین نے قدم باہر رکھا ہی تھا کہ شہزین نے اسے روک لیا: "رُک جاؤ! میں ابھی آئی۔" شہزین یہ کہتے ہوئے فوراً اپنے کمرے میں گئی۔ واپس آئی تو شاہین بے زاری کے ساتھ کھڑی تھی۔ شاہین جان چکی تھی کہ اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ "شاہین! کل شام میں نے کتنا سمجھایا تھا کہ برقع نہ بھی لو تو کم از کم اسکارف ضرور لیا کرو۔" شہزین نے شاہین کے بال سمیٹے اور ان میں کیچر لگا دیا اور اسکارف سے اس کے منہ کو اچھی طرح ڈھک دیا۔ صرف آنکھیں کھلی چھوڑیں، پھر ایک موٹی کالی سی چادر سے اس کا سارا جسم چھپا دیا۔ "اُف میرے خدا! آپا مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے میں رول پراٹھے کے اندر دبا ہوا کباب ہوں۔" شاہین نے تنگ ہو کر کہا۔ شہزین نے پیار بھرے میٹھے لہجے میں اسے سمجھایا: "ارے بابا! اس سے تمہاری حفاظت ہو گی۔" اور ڈھیر ساری نصیحتوں کے ساتھ اسے رُخصت کر دیا۔ پھر شہزین چھت سے اسے مسلسل دیکھتی رہی، وہ کپڑے سے بنی گڑیا کی طرح چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی ہوئی شہزین کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ شہزین اس کے لیے خیر و عافیت کی دُعا کر کے امی کے کمرے میں گئی۔

"امی جان! مجھے آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔" امی بے زاری سے شہزین کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں: "شہزین! تم اسے بہادر بننے دو، وہ اکیلے سفر کر سکتی ہے۔ تمہارے ڈیڈ بھی کہہ رہے تھے کہ شاہین ان کی بیٹی نہیں بیٹا ہے اور پھر وہ تم سے زیادہ باہمت ہے۔ دیکھتی نہیں اپنی پڑھائی کا خرچ اٹھانے کے لیے جاب بھی کر رہی ہے، جب کہ تم گھر ہی میں گھسی رہتی ہو کہ نہیں باہر جاب نہیں کروں گی، عفت و عافیت کے ساتھ گھر ہی میں کچھ نہ کچھ کام کر لوں گی۔ آج کے زمانے میں باہر نکلے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک چھوٹا بچہ تک اپنی پسند کی چیز لینے آخر باہر نکلتا ہی ہے اور تمہیں ہر جگہ جانے کے لیے ساتھ ڈیڈ چاہیے ہوتے ہیں۔ تمہارے ڈیڈ نے اپنی ساری زندگی ایک پرائمری سرکاری ٹیچنگ میں گزار دی اور تمہیں کچھ بنانا چاہا، مگر تم نے ہی قید کو پسند کیا تو اس کا کیا مطلب ہے؟ تمہاری بہن بھی تمہاری طرح بزدل بن جائے۔ اب دوبارہ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے امی جان!" شہزین اپنی والدہ کی باتیں سن کر سہم سی گئی اور آنسوؤں کو چھپائے سلام کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ شہزین شاہین کے اکیلے سفر کرنے سے بہت ڈرتی تھی، جب کہ اتنی دور کا سفر شرعاً بھی تنہا جائز نہ تھا۔ دل میں آنے والے خیالات و وساوس وہ کیسے بیان کرتی، وہ چاہتی تھی کہ اس کی پیاری سی بہن پر کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے۔ (جاری ہے)

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

اک سفر سہانا۔۔۔

پہلی قسط

حفصہ محمد فیصل

13 جولائی 2024 ہفتے کی صبح آغازِ سفر بذریعۂ سوات ایکسپریس کراچی سے مٹّہ (سوات) کی جانب۔ بس کے اکیس گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کی شروعات تھی، لیکن اچھی بس سروس، ایک پُر فضا مقام پر پہنچنے کے تجسّس کے ساتھ قدرت کے حسین نظاروں نے اس تھکن کی کلفت کو کافی حد تک کم کر دیا۔ سندھ کے اختتام اور موٹروے پنجاب کے شروعات تک رات ہو چکی تھی۔ رات میں بس کو کہیں نہیں رُکنا تھا۔ آرام کی غرض سے بس میں بھی اندھیرا کر دیا گیا تھا اور پھر رات میں کلر کہار سے ہوتے ہوئے سوات موٹروے شروع ہو چکا تھا۔ فجر کی نماز کے لیے سوات کے علاقے بھٹکلہ پر بس رُکی، جہاں میٹھی میٹھی سی ٹھنڈی ہواؤں نے استقبال کیا۔ ٹھنڈ کا احساس، فجر کا وقت، یخ ہوتے پانی سے وضو کر کے نمازِ فجر ادا کی، تاحدِّ نگاہ ہریالی کو آنکھوں میں بساتے ہوئے ایک گہرے سانس کے ذریعے اس پُر کیف لمحے کو اندر تک محسوس کیا تو روح بھی سرشار ہو گئی، لیکن یہاں زیادہ وقت بتانا ممکن نا تھا۔ بس کا ہارن آگے بڑھنے کی دہائی دے رہا تھا۔ منزل قریب ہی تھی، ابھی تو کئی روح پرور نظارے منتظر تھے۔

مٹّہ پرویرانی: مینگورہ کی بجائے مٹّہ کے اسٹاپ پر سفر کا اختتام تھا۔ مٹّہ اسٹاپ پر کالام لے جانے والی کوئی گاڑی میسر نہ تھی۔ تھوڑی دیر پریشانی لاحق رہی، لیکن پھر ایک چنگچی والے سے بحرین تک جانے کی بات طے پا گئی۔ راستہ اونچا نیچا اور نشیب و فراز والا تھا۔ چنگچی میں بیٹھ تو گئے، لیکن کہیں کہیں اپنے فیصلے پر نادم بھی ہوئے، مگر اس وقت یہی فیصلہ ٹھیک بھی لگ رہا تھا، کیوں کہ وہاں پر کوئی اور سواری میسر نہ تھی، اس لیے آیندہ کے لیے یہی بات پلّے سے باندھی کہ زیادہ استعمال ہونے والے علاقوں پر ہی سفر کا اختتام کرنا چاہیے۔

جس بس سروس سے ہم یہاں پہنچے تھے، اس کا آخری اسٹاپ مٹّہ ہی تھا۔ خیر! اللہ اللہ کر کے بحرین پہنچے۔ رات بھی ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا، اس لیے اس وقت سب کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ بحرین کے ایک ڈھابے سے مزے دار سا ناشتا تناول کیا۔ وہاں کے ڈھابوں کی بھی ایک اچھی بات پسند آئی کہ فیملی کے لیے باقاعدہ پردے کا اہتمام کرتے ہوئے ساتھ ٹیبل کرسیاں لگائی ہوئی تھیں، جس سے باپردہ خواتین سکون کے ساتھ کھانا کھا سکتی ہیں۔

ہوٹل والے کے توسّط سے ہی ایک ہائی روف والے کا انتظام ہو گیا، جس نے بہت اچھے طریقے سے کالام تک پہنچایا۔

وادیٔ کالام: دریائے سوات اب ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ خوب صورت مناظر ایک سے بڑھ کر ایک ہماری آنکھوں کو تراوٹ بخش رہے تھے۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ کراچی کی ہولناک گرمی سے نکل کر (ان دنوں کراچی میں گرمی کی شدّت ناقابلِ برداشت تھی) ایک دل فریب ماحول میں بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہم کالام کے مین بازار پہنچ چکے تھے، جہاں پر کھانے پینے اور دیگر لوازمات کی دکانوں کے ساتھ ساتھ رہائشی ہوٹل بھی بنے ہوئے تھے۔ دائیں جانب والے ہوٹل دریائے سوات کے ساتھ بنے تھے، جہاں کے کمروں سے دریائے سوات کا نظارہ بآسانی کیا جا سکتا تھا، اسی بنا پر ان ہوٹلوں کے کرائے دُگنے سے بھی زیادہ تھے، جب کہ بائیں جانے والے ہوٹلوں میں کرائے مناسب تھے۔ بائیں جانب کے ایک متناسب ہوٹل کا انتخاب کیا گیا، اسی دوران بوندا باندی بھی شروع ہو چکی تھی۔ پہاڑی علاقوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ یہاں پر کب دھوپ نکلے کب چھاؤں اور کب بارش ہو جائے، کچھ پتا نہیں چلتا۔ اسی لیے باہر جاتے ہوئے لوگ ضروری چیزوں کے ساتھ چھتری رکھنا بھی نہیں بھولتے۔

کالام جھیلوں کی وادی: کالام کو عرفِ عام میں جھیلوں کی وادی کہا جاتا ہے۔ کالام وادیٔ سوات کا ایک خوب صورت گاؤں ہے، جو دریائے سوات کے کنارے ضلع سوات، خیبر پختونخوا، پاکستان میں واقع ہے۔ سطحِ سمندر سے اس کی بلندی 6,800 فٹ ہے۔ یہ اسلام آباد سے 270 کلومیٹر دور ہے۔ یہاں گرمیوں میں موسم نہایت خوش گوار رہتا ہے اور سردیوں میں شدید سردی اور برف باری ہوتی ہے۔ یہ مینگورہ سے تقریباً 99 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

ظہر کے بعد آرام کیا گیا اور عصر کے بعد تازہ دم ہو کر کالام بازار کی سیر کرتے ہوئے دریائے سوات کے کنارے پر جا پہنچے، جہاں پر ڈھیر سارے گلِ بابونہ کے پودے ماحول کو خوب صورت بنا رہے تھے۔ ایک طرف تاحدِّ نگاہ پہاڑی سلسلہ درمیان میں ٹھاٹھیں مارتا دریائے سوات، جس کے یخ ٹھنڈے پانی میں ایک خوب صورت احساس تھا۔ کنارے پر بیٹھے بیٹھے گھر والوں سے ویڈیو کال پر بات کی اور ساتھ ہی ننھے ننھے سواتی بچوں سے گرم انڈے خرید کر اس موسم کا مزید لطف اٹھایا گیا۔ مغرب کے بعد وہاں سے باہر نکلے، نماز کے بعد رات کے کھانے کے لیے ایک درمیانے ہوٹل میں گئے، جہاں پر مزے دار چپلی کباب سے لطف اندوز ہوئے۔ ہوٹل سے باہر آئے کہ چائے پی جائے تو باہر تیز بارش نے ہمارا استقبال کیا، ہر طرف جھل تھل کا سماں تھا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے بارش کی قطروں سے لطیف احساس جاگ رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے بارش سے بچاؤ کے لیے پہلے سے ہی چھتری اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی جبکہ کچھ لوگ ہاتھوں کے چھاجے بنائے ہوئے بارش کو اپنے آنکھوں سے دور رکھنے کی کوشش میں لگے تھے۔ ہم بھی چھتری کے بغیر ہی تھے، لیکن اس وقت یہ بارش بھی بڑی نعمت محسوس ہو رہی تھی۔ بازار کی رونق جوبن پر تھی، ہر شخص اپنی ہی بولی بول رہا تھا۔ ہم بھی بارش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خراماں خراماں چلتے ہوئے ایک چائے کے ہوٹل پر جا پہنچے، جہاں پر چائے اور گرین ٹی کا آرڈر دے کر بیٹھ گئے۔ بارش کی ٹھنڈی پھوار، سوندھی سوندھی مٹی اور چائے کے ابال کی مسحور کن خوش بو ماحول کو ناقابلِ فراموش بنا رہی تھی۔

◆◆◆

صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ کمراٹ ویلی کے لیے رات کو ہی گاڑی والے سے بات ہو چکی تھی۔ 6 بجے اسے ہوٹل پہنچنا تھا، اس سے پہلے ہمیں تیاری کے ساتھ ساتھ ناشتا بھی کرنا تھا۔ کالام میں ٹھنڈ تھی جب کہ کمراٹ کی طرف بہت زیادہ ٹھنڈ اور ساتھ بارش بھی تھی۔ اسی لیے ٹھنڈ سے بچاؤ کے لیے ہر فرد کے لیے تمام لوازمات ساتھ رکھے گئے، جو کہ آگے جا کر شدید ٹھنڈ میں کم محسوس ہوئے۔

کالام کو جہاں جھیلوں کی وادی کہا جاتا ہے، کمراٹ ویلی کو بھی کالام کی ہی

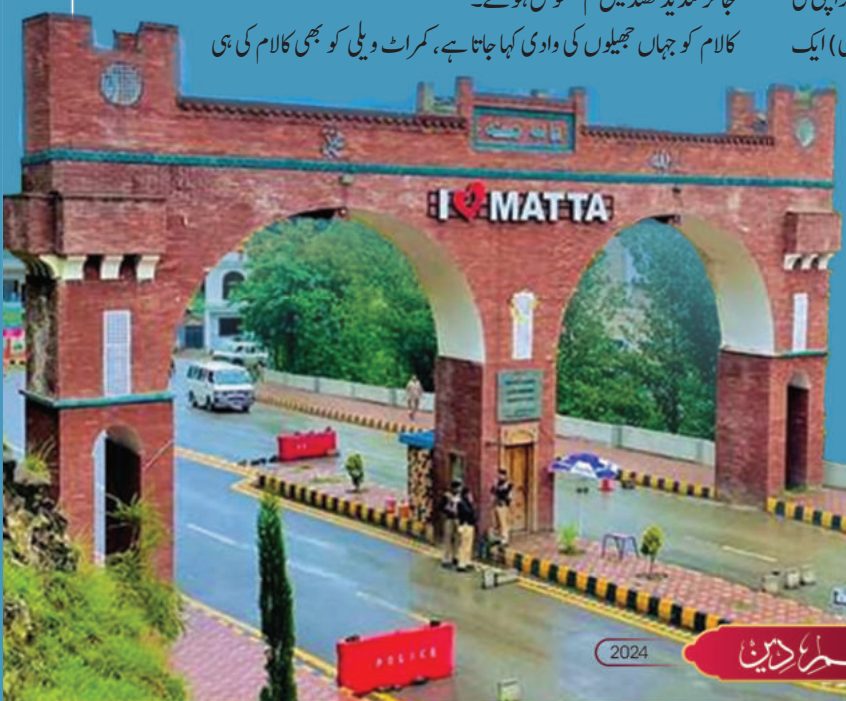

برص
(ایک جِلدی بیماری)

شمائلہ شکیل

اس کائنات کی خوب صورتی کے پیمانے کا بڑا حصہ رنگوں سے بھرا ہے یا یوں کہہ لیں کہ بات خوب صورتی کی ہو اور رنگوں کو شامل نہ کیا جائے، ایسا ممکن نہیں۔ انسانی رنگ گورا ہو یا گلابی، سانولا ہو یا گندمی اپنی اپنی جگہ سبھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اوپر سے اگر کالا دھبہ یعنی سیاہ تل ہو تو حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں، جبکہ سفید رنگ کا دھبہ خوب صورتی کو گہنا دیتا ہے۔

یہاں سفید رنگ کے دھبے سے مراد "برص" یعنی پھلبہری ہے۔ دنیا میں ایک فیصد لوگ اس بیماری کا شکار ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ بیماری پیدائشی ہوتی ہے، جبکہ کچھ لوگ اس بیماری میں 10 سے 30 سال کی عمر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ ایک جلدی بیماری ہے، جو زیادہ تر جسم کے کھلے حصوں پر ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا ایک چھوٹے دھبے سے ہوتی ہے، جو بعض اوقات ایک ہی حالت میں رہتی ہے اور کبھی آہستہ اور کبھی تیزی سے پھیلتی ہے۔ اس کے شکار افراد کو ان دھبوں پر خارش کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ دھوپ میں نکلنے سے یہ دھبے سُرخ ہو جاتے ہیں اور ان میں جلن ہوتی ہے۔

اسباب: عام طور پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ مچھلی اور دودھ کے ایک ساتھ استعمال کرنے سے یہ بیماری ہوتی ہے۔ جب کہ میڈیکل سائنس اس نظریے کی مکمل طور پر نفی کرتی ہے۔ اس مرض میں مبتلا لوگوں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ یہ بیماری ایک سے دوسرے کو منتقل نہیں منتقل ہوتی اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ موروثی بیماری ہے، لیکن یہ خیال بھی مکمل طور پر درست نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ برص کے شکار فرد کے آباؤاجداد میں کوئی ایسا مریض نہیں ہوتا، البتہ کسی کے والدین اس بیماری میں مبتلا ہوں تو ایسے شخص کے لیے خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

ماہرین کے مطابق آٹوامیون سسٹم میں خرابی کی وجہ سے ہمارا دفاعی نظام اپنے ہی صحت مند خلیوں کو تباہ کرنا شروع کر دیتا ہے، جو برص کی بیماری کی وجہ بنتا ہے۔ اس کے علاوہ تھائی رائیڈ گلینڈ کی وجہ سے ہارمونل مسائل، ڈپریشن اور ذیابیطس بھی سفید دھبوں کی وجہ بن سکتے ہیں۔ ہماری جلد کو خاص رنگت دینے اور اس رنگت کو برقرار رکھنے والے خلیات میلانوسائیٹس (Milanosites) کہلاتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے میلانن کی افزائش کم یا بالکل نہ ہو تو وہاں سفید دھبہ نمایاں ہو جاتا ہے، نیز اس دھبے کے گھیرے میں آنے والے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔

نفسیاتی مسائل: ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کو عجیب نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگوں کے رویّوں اور ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا، جیسے سوالوں سے گھبرا کر متاثرہ لوگ اکثر ملنے جلنے سے کترانے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنا سوشل سرکل محدود کر کے تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے رویّوں اور اپنی بیماری کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، حتّٰی کہ بعض لوگ ان حالات کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔

متاثرہ افراد کے ارد گرد کے لوگوں کو چاہیے کہ ان کی دل جوئی کریں اور انھیں تنہائی کا شکار نہ ہونے دیں۔

علاج: جہاں تک بات ہے اس کے علاج کی تو دھبہ جتنا چھوٹا ہو اور بیماری کو کم وقت گزرا ہو، اتنے ہی علاج کی کام یابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس زیادہ وقت گزرنے اور دھبے جسم پر پھیل جانے کی صورت میں علاج مشکل اور صبر آزما بن جاتا ہے۔ عام طور پر برص کے علاج کے لیے میڈیسن، ویکسین اور لیزر ٹریٹمنٹ سے کام لیا جاتا ہے۔

خوب صورتی کا ایک بہترین حصہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کمراٹ کی طرف سفر شروع ہوا چڑھائیاں، کھائیاں، نشیب و فراز بل کھاتی پتھریلی سڑکیں، ایک لمحے کے لیے تو سفر مشکل تر نظر آنے لگا، لیکن ارد گرد خوب صورتی کی انتہا پر فائز مناظر قدرت کی ثنائی بیان کرنے کی بار بار دعوت دے رہے تھے۔

پہاڑی دنبے اور بکرے چرواہوں کے ساتھ جھنڈ کے جھنڈ جگہ جگہ چرتے نظر آ رہے تھے۔ خوب صورت پشتو بیچے ہم شہریوں کو دیکھ کر کہیں حیرت زدہ ہو رہے تھے تو کہیں ہاتھ ہلا ہلا کر ہمارا استقبال کر رہے تھے۔

ہم وادیٔ اتروڑ میں داخل ہو چکے تھے۔ اتروڑ جھیل پر تھوڑی دیر رُکے وہاں کی خوب صورتی کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر کے مزید اونچائی کی جانب رختِ سفر باندھا۔ اب اگلی منزل بڈ گوئی ٹاپ تھی۔ ایک پر پیچ راستے سے ہوتے ہوئے جب ہم بڈ گوئی ٹاپ پر پہنچے تو وہاں پر بلا کی سردی نے ہمارا استقبال کیا اور ساتھ ہی موسلا دھار بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔ ہاتھوں میں دستانے، کانوں پر ٹوپے اور ہاتھ میں چھتریاں کپکپی کی سی کیفیت طاری تھی، نہ جانے ہم کراچی والوں کو کیوں سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے، عجب سرشاری سی کیفیت تھی۔ منہ سے دھواں نکل رہا تھا، دانت بج رہے تھے اور ہم اس حالت میں اس ٹاپ ویلی پر پکوڑوں اور الائچی والی گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہاں پر مقامی لوگوں نے ایک ٹینٹ میں گرماہٹ کا بھی انتظام کیا ہوا تھا، لوہے کی بھٹّی میں لکڑیاں ڈال کر گرمی کا انتظام تھا، لیکن وہ وقتی گرمی زیادہ کارآمد نہیں ہو رہی تھی۔ ٹھنڈ اس قدر بڑھ رہی تھی کہ اگر تھوڑی دیر اور وہاں ٹھہرتے تو ہماری قلفی جمنے کا امکان لازم تھا۔ اسی لیے تھوڑی دیر کے بعد ہی ہم وہاں سے آگے کی طرف بڑھ گئے۔

سطحِ سمندر (11558 فٹ) بلند باڈ گوئی ٹاپ جسے "اتروڑ پاس اور دشتِ لیلیٰ" بھی کہا جاتا ہے، دیر کوہستان کو سوات کوہستان سے ملانے والا ایک قدیم راستہ ہے۔ اِس پاس کو دونوں طرف کے کوہستانی قبائل صدیوں سے استعمال کرتے آ رہے ہیں، اِس پاس کے ذریعے تھل سے کالام پہنچنے میں تقریباً تین سے چار گھنٹے لگتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں سیّاح سوات سے ہوتے ہوئے اس راستے پہ کمراٹ آتے ہیں۔ اس راستے پر سفر کر کے سیّاح نہ صرف وادیٔ کمراٹ کی سیر کر لیتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مدین، بحرین، کالام، مہوڈنڈ اور اتروڑ کے نظارے بھی مفت میں دیکھ سکتے ہیں۔ (جاری ہے)

مکڑی کا جالا

خدیجہ نعیم

”امی دیکھیں اتنا بڑا مکڑی کا جالا!“ امی کو متوجّہ کر کے مصعب بولا۔
” بھئی واقعی بہت بڑا جالا ہے، اسے ابھی صاف کر دیتے ہیں۔“ امی نے جالا اتارنے والے جال سے ایک ہی وار میں جالا صاف کر دیا۔
”واہ امی! آپ نے تو ایک ہی دم جالا صاف کر دیا، لگتا ہے جالا بہت ہی کم زور تھا۔“ امی کو مصعب کے جملے پر قرآن کریم کی چند آیتیں یاد آ گئیں۔
”امی کہاں گم ہو گئیں؟“ مصعب نے اپنی امی کو تقریباً جھنجوڑ ہی ڈالا تھا، کیوں کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔
”جی جی، بیٹا! میں سن رہی ہوں، آپ کیا کہہ رہے تھے؟“ امی جیسے کسی دوسری دنیا سے ابھی لوٹی ہوں۔
”امی آپ کیا سوچ رہی تھیں؟“ مصعب نے امی سے پھر پوچھا۔
”بیٹا! مجھے قرآنِ کریم کی ایک آیت یاد آ گئی تھی۔“ امی بولیں۔
”اچھا کون سی؟ ذرا مجھے بھی سنا دیں۔“ مصعب نے پوچھا۔
”مکڑی کے جالے والی آیت“ امی بولیں۔
”وہ کون سی آیت ہے؟ اللہ نے کوئی ایسی بھی آیت اتاری ہے، جس میں مکڑی کا یا اس کے جالے کا ذکر ہو۔“ مصعب بولا۔
”جی بیٹا! اللہ نے پوری ایک سورت اتاری ہے، جس کا نام ”عنکبوت“ یعنی مکڑی ہے۔ اللہ نے قرآن میں مختلف مثالیں دی ہیں، کہیں مچھر کی، کہیں مکھی کی، کہیں کتے کی اور گدھے کی بھی دی ہے۔ اللہ کسی کی بھی مثال دے کر سمجھا سکتے ہیں۔“
”اچھا امی! مجھے مکڑی کے جالے کا بتائیں، اس کی کیا مثال دی ہے اللہ نے؟“
امی قرآن مجید لے کر آئیں اور سورت عنکبوت نکال کر پڑھنا شروع کی۔
مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کے سوا اور مددگار بنا رکھے ہیں، مکڑی جیسی ہے، جس نے ایک گھر بنایا، حالاں کہ بے شک سب گھروں سے کم زور تو مکڑی کا گھر ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔ (العنکبوت: 41)
امی نے آیت پڑھ کے سنا دی اور پھر کہنے لگیں: ”اس آیت کو ہم مزید سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کو بھی اپنا سہارا بنائیں تو وہ ہمارے لیے مکڑی کے جالے جیسا کم زور ہے، جس طرح مکڑی کا جالا جو ایک وار سے ٹوٹ جاتا ہے، ویسے ہی دنیا کے سہارے ہمارے لیے کم زور اور لایعنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا سہارا ہی مضبوط ہے۔ ہمیں اسی سے اپنی مشکلات اور پریشانیاں بیان کرنی چاہییں اور اسی سے توقعات رکھنی چاہییں۔ لوگوں سے شکوے شکایات کر کے وقت برباد نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ لوگ تو اتنی ہی مدد کر سکتے ہیں جتنی اللہ نے ان کو استطاعت دی ہے۔“
مصعب آیت کا مطلب سمجھ چکا تھا، امی نے کہا: ”مختصراً یہ کہ مکڑی کے جالے سے بھی کم زور ہیں دنیا کے سہارے۔“ ”امی صحیح کہا آپ نے، اللہ تعالیٰ ہی بھروسے کے قابل ہے باقی سہارے وقتی ہیں اور ختم ہو جانے والے ہیں۔“ مصعب بولا۔ امی خوش تھیں کہ ان کے بیٹے کو آیت کا مفہوم صحیح سمجھ آ چکا تھا۔
مصعب نے اپنے دوستوں کو بھی یہ بات بتائی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا درس دیا، جب بھی مصعب جالے دیکھتا ہے تو ان کو صاف کرتے ہوئے دل ہی دل میں بولتا ہے، مکڑی کے جالے سے بھی کم زور ہیں یہ دنیا کے سہارے۔۔۔ اور جالا جتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو فوراً صاف ہو جاتا ہے۔

اپنے موٹیویشنل خود بنیے

کومل شہزادی

موجودہ دور کی نوجوان نسل میں مایوسی، نااُمیدی بہت پائی جاتی ہے اور اس مایوسی کی وجہ سے وہ تنہائی کا شکار بھی ہو گئی ہے۔ ہر چیز میں منفی رُخ تلاش کرنے لگی ہے، اسے ہر چیز اپنے حق میں غلط ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بچے رشتوں سے مایوس اور مستقبل کے بارے میں نااُمید ہیں، بہت سارے زندگی سے ہی مایوس ہیں، شاید اسی وجہ سے خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ ایسے حالات میں کئی لوگ موٹیویشنل سیشن کا سہارا لیتے ہیں، ان سے یہی سننے کو ملتا ہے: ”کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا، ہر چیز سے دل اُٹھ گیا ہے، میں ہار گیا ہوں، مجھے میرے اپنوں نے ہرا دیا۔“ وغیرہ وغیرہ۔
سوچنے کی بات ہے، یہ لوگ قرآن کی آیات میں موٹیویشن کیوں نہیں تلاش کرتے؟ قرآن تو حرف حرف خود موٹیویشن ہے، پھر کیوں لوگ دربدر مایوس پھرتے ہیں؟ جب کوئی دوسرے کو اپنے غم بتاتا ہے تو دوسرا ابھی یہی کہتا ہے ”ہاں بھائی! میرا بھی یہی مسئلہ ہے، اب اس مشکل سے کیسے نکلا جائے؟“
ان چند نکات کو آزما کر موٹیویشن حاصل کی جا سکتی ہے، ملاحظہ کیجیے:
ثابت قدم رہیں: مستقل مزاجی اختیار کریں اور دنیا کو دکھائیں کہ آپ کتنے مضبوط ہیں۔ اگرچہ بہ ظاہر ہار ہو جائے، لیکن ہر بار نئے راستے سے نئی کوشش کرنی چاہیے، جس معاملے اور مشکل میں اُلجھے ہوئے ہیں، ان معاملات کے ماہرین سے تجاویز لینے کی کوشش کریں، لیکن مستقل مزاجی کام یابی کا پہلا زینہ ہے۔
جستجو جاری رکھیں: کوشش کریں، کوشش کریں، کوشش کریں اور مسلسل کوشش کریں! یہاں تک کہ جب تک آپ اپنی کوشش میں کام یاب نہ ہو جائیں، تب تک کوشش کرتے رہیں اور اپنے دماغ میں صرف کام یابی کے امکانات ڈالیں۔
باہمت بنیں: آپ خوف زدہ نہیں ہیں، آپ بہادر ہیں۔ آپ کم زور نہیں ہیں، آپ طاقتور ہیں۔ آپ عام نہیں ہیں، آپ قابل ذکر ہیں۔ آپ اللہ کی مدد سے سب کچھ کر سکتے ہیں، کچھ بھی ناممکن نہیں۔
خود اعتمادی پیدا کریں: جب بھی آپ اپنی زندگی پر نظر ڈالیں تو پچھتاوا نہ کریں۔ اللہ کی مدد چاہیں اور خود اعتمادی پیدا کریں، راستہ مل جائے گا اور منزل تک ضرور پہنچیں گے۔
چیلنج کا مقابلہ کریں: ناکامی کا خوف زیادہ تر لوگوں کو پیچھے رکھتا ہے۔ یہ زندگی آپ کی ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے دیے حکم کے مطابق گزاریں اور اس میں جو رکاوٹ آئے، اس کو نظر انداز کر دیں۔
اگر آپ کے پاس کوئی قابل عمل منصوبہ ہے تو دوسروں کو قائل کریں، اپنی بہترین صلاحیتوں کو کام میں لائیں۔
اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت پر اعتماد و یقین رکھیں۔ منزل قریب سے قریب تر ہو گی۔ ان شاء اللہ!

درخت

کرن فاطمہ

نویں جماعت میں پڑھنے والا ۱۱ سالہ بچہ جس کا نام زید ہے۔ صبح چھ بجے اٹھتا ہے، نمازِ فجر پڑھتا ہے، پھر اسکول کے لیے تیار ہو کر ناشتے کے لیے دستر خوان پر جاتا ہے۔ ناشتا کر کے اپنے والد کے ساتھ اسکول کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ زید کی اسکول سے واپسی دو بجے تھی، صبح زید اپنے والد کے ساتھ اسکول جاتا تھا اور چھٹی کے وقت وہ اور اس کا دوست اریان چہل قدمی، ہنسی مذاق اور ڈھیروں باتیں کرتے ہوئے گھر کی طرف لوٹتے تھے۔ اریان زید کا ہم عمر دوست تھا۔ زید اور اریان کی آپس میں بہت بنتی تھی۔ ایک دوسرے کی پریشانی کو سمجھتے تھے۔ ایک اداس ہوتا تو دوسرا بھی افسردہ ہو جاتا، ایک روتا تو دوسرا اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھتا تھا۔ اسی طرح روز کی بنیاد پر اسکول جاتے اور چھٹی پر واپس ایک ساتھ آتے۔ ایک روز جب زید اور اریان گھر کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو زید نے نئے پودے لگے ہوئے دیکھے، وہ اریان کا ہاتھ پکڑ کر ان پودوں کی طرف چل دیا۔ زید ایک شرارتی بچہ تھا، زید نے بنا سوچے سمجھے ان پودوں کو جڑ سے ہی اُکھاڑ پھینکا تو اریان یہ دیکھ کر تھم سا گیا۔ اریان کو احساس ہوا کہ زید نے غلط کیا، زید کو پودے نہیں اُکھاڑنے چاہییں تھے۔ اریان نے زید کو سمجھانا چاہا، مگر وہ ایک دم سے رُک گیا، پھر اچانک بولا کہ ”زید! یہ تم نے کیا کیا، چھوٹے چھوٹے سے پودے کتنے پیارے لگ رہے تھے، تم نے ان کو کیوں اُکھاڑ دیا؟ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ان سے ہمیں کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟ انہی کی وجہ سے ہم سانس لیتے ہیں۔ یہی پودے بڑے ہو کر ہمیں پھل پھول فراہم کرتے ہیں۔ سوچو! اگر یہ نہ ہوں تو ہماری زندگی دشوار ہو جائے۔“ اریان نے اچانک زید کے اُکھڑے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا گویا کہ اریان نے محسوس کیا ہو کہ زید کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے، زید کے چہرہ پر ندامت اسے محسوس ہو رہی تھی اور وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ اریان سمجھ گیا کہ زید کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اریان نے زید کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ”چلو کوئی بات نہیں، تم افسردہ نہ ہو، ہم کل گھر سے آتے ہوئے پودے لے کر آئیں گے اور جہاں سے پودے اُکھڑ گئے ہیں، ٹھیک اسی جگہ دونوں مل کر پودے لگائیں گے۔“ یہ بات سن کر اسے محسوس ہوا کہ زید کو اپنی غلطی سدھارنے کی ایک نئی اُمید مل گئی ہو۔

یہ کہہ کر زید اور اریان گھر کی طرف روانہ ہونے لگے اور زید نے اسی وقت اپنے دل میں یہ عہد کر لیا کہ آج سے بلکہ ابھی سے کبھی بھی پودے نہ ہی خود اُکھاڑے گا اور نہ کسی کو اُکھاڑنے دے گا۔

زید نے اپنے اس فعل سے سچے دل سے توبہ بھی کی اور اگلے روز زید اور اریان نے مل کر کئی پودے لگائے، جس سے گلستان سرسبز و پُر رونق ہو گیا اور باغیچے میں چار چاند لگ گئے۔

ایک دور تھا، جب ہر طرف درخت اور پودے نظر آتے تھے۔ لہراتے ہوئے پتے، کھلتے ہوئے پھول، کھیتوں میں لگے ہوئے اناج، کہیں چاول کے کھیت، کہیں گندم کے کھیت تو کہیں کپاس کی کھلتی ہوئی کلیاں نظر آتی تھیں۔ درختوں کے نیچے بچوں کا کھیلنا بڑے بزرگوں کا ایک ساتھ اکٹھے ہو کر شام کے ٹھنڈے موسم میں بیٹھ کر باتیں کرنا، ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرنا، ہنسی مذاق کرنا، باہم احساس و الفت کا قائم کرنا، اذیتوں سے محفوظ رکھنا، چاروں طرف الفت و محبت اور اُخوّت نظر آتی تھی، امن و سکون نظر آتا تھا، دن رات ایک ہو جاتا تھا، مگر ہر بشر دوسرے بشر کی تکلیف میں ساتھ دینے پر اڑا جاتا تھا، مگر اب تو جیسے سارا نظام ہی درہم برہم نظر آتا ہے، نہ رہے وہ درخت جن کے نیچے بچوں کے کھیلنے کی آوازیں گونجتی تھیں، بزرگوں کے جھرمٹ نظر آتے تھے اور نہ ہی رہے وہ کھیت جن میں کام کاج کرتے افراد محنت میں مشغول نظر آتے تھے۔ خون پسینہ ایک کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ نہ رہے وہ پھول جن کی خوشبو سے جسم کا رُواں رُواں کھل اٹھتا تھا۔

اب ہر جگہ درختوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جہاں کل درخت نظر آتے تھے وہاں درختوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ آج درخت کو جڑ سے ہی اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے، حالاں کہ درخت ہماری زندگی کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ ہمیں بیماریوں کا شکار ہونے سے بچاتے ہیں، ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ ایک نظر سے دیکھا جائے تو کہیں نہ کہیں بیماریوں کی وجہ درختوں کا کاٹنا، انھیں ختم کر دینا، جڑ سے ہی اُکھاڑ دینا اور دوبارہ نہ اُگنے کی بھرپور کوشش کرنا ہی ہے۔

ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ہم روز کی بنیاد پر پودے لگائیں اور دوسروں کو بھی اس نیکی کے کام میں شریک کریں۔

آپ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بھی تو درختوں کے نیچے بیٹھ کر درس ہوا کرتے تھے اور انہی درختوں کے پتوں پر ہی قرآنِ پاک احادیثِ مبارکہ لکھی جاتی تھیں۔ درخت کا لگانا صدقہ جاریہ ہے۔ آج بھی تو وہی لوگ اس دنیا میں پائے جاتے ہیں، اگر وہ لوگ یہ نیک کام کر سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں۔!! جنگلوں کا سرے سے صفایا کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے سب کو شدید گرمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

صلی اللہ علیہ وسلم

بنت مسعود

ہر ہر سو پھیلی تھی جہالت — طاری تھی ہر شے پر وحشت
جاگی دنیا کی پھر قسمت — آئے محمد ﷺ بن کر رحمت
آپس میں لڑتے مرتے تھے — جھگڑے اکثر ہی کرتے تھے
بت کے آگے وہ جھکتے تھے — بات نہ سیدھی وہ سنتے تھے
بدلی الفت میں پھر نفرت — آئے محمد ﷺ بن کر رحمت
دور ہوئی دنیا کی غفلت — دیکھی جو احمد ﷺ کی سیرت
چھوڑ کے بت مانا ایک رب کو — دے دی ان کو رب نے ہدایت
خوب بڑھی جنت کی رغبت — آئے محمد ﷺ بن کر رحمت
ایماں نے پھر جوش دکھایا — سچ نے حق نے غلبہ پایا
ان ﷺ کی ہستی کے دم سے ہی — ہم نے اپنے رب کو پایا
بیٹھی دل میں ان ﷺ کی عظمت — آئے محمد ﷺ بن کر رحمت

خوفناک سفر

صبیحہ یامین

مجھے وقت پر گاؤں پہنچنے کی جلدی تھی، اس لیے میں دوپہر کو ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ میرا اندازہ یہی تھا کہ شام سے پہلے پہلے اپنے گاؤں پہنچ جاؤں گا، مگر ایک ویران جگہ بس خراب ہو گئی۔ پہلے تو ڈرائیور اور اس کا مددگار خود ہی بس میں ہونے والی خرابی کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے رہے، مگر جب ان سے خرابی دور نہ ہوئی تو ڈرائیور نے اپنے مددگار کو کسی مکینک کو بلانے قریبی قصبے کی طرف بھیجا۔ مکینک کے آنے کے بعد بس کے ٹھیک ہوتے ہوئے شام ہو گئی۔ جب میں اپنی منزل پہ بس سے اترا تو رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔

گاؤں تک پہنچنے کے لیے مجھے ایک کچے راستے پر تین کلومیٹر پیدل سفر کرنا تھا۔ میں بڑی سڑک سے اُتر کر گاؤں جانے والے راستے پر چل دیا۔ اس وقت آسمان پہ چاند تھا نہ اس کی چاندنی۔ ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی نے ماحول کو خوف ناک اور پُراسرار بنا دیا تھا۔

رات کے سنّاٹے میں اکیلے سفر کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور اس خاموشی میں مجھے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔ ابھی میں تھوڑا سا راستہ ہی طے کر سکا تھا کہ اچانک ایک اُلو میرے سر کے عین اوپر رات کے سنّاٹے میں اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا ایک درخت سے اُڑ کر دوسرے درخت پر جا بیٹھا۔ رات کے سنّاٹے میں اُلو کی خوف ناک آواز سے میں بُری طرح ڈر گیا اور خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اسی وقت جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی ہوئی، میں نے چونک کر دیکھا۔ اونچی اونچی جھاڑیوں کے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔

میں ڈر کر پیچھے ہٹا تو کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ ڈر کے مارے میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ مڑ کے دیکھا تو درخت تھا۔ میں بدحواسی میں درخت سے ٹکرا گیا تھا۔ اسی وقت درخت کے پیچھے بھی مجھے ایک ہیولا سا نظر آیا۔ میں پیچھے ہٹا تو وہ میری طرف بڑھا۔

میں ڈر کے بھاگا اور بھاگتا ہی چلا گیا۔ میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا، مگر اچانک ٹھٹک کر رک گیا۔ ایک لمبا تڑنگا بھوت میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹا تو جھاڑیوں میں سے کسی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی۔ میں چیختا ہوا وہاں سے بھاگا، لیکن عجیب سرسراہٹیں میرا پیچھا کر رہی تھیں۔

بھاگتے بھاگتے میری نظر اس چڑیل پر پڑ گئی جو بال کھولے درخت سے اُلٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ مجھ پر جھپٹی تو میں چیختا ہوا بھاگا اور سڑک سے کھیتوں میں اُتر گیا۔ میں فصلوں اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا بھاگا چلا جا رہا تھا کہ اچانک میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی اور میں منہ کے بل ایک جوہڑ میں گر پڑا۔ کیچڑ سے بھرے اس جوہڑ سے بڑی مشکل سے باہر نکلا۔ کیچڑ اور مٹی کے لیپ سے اب میں خود بھوت لگ رہا تھا۔

سردی سے مجھ پر کپکپی طاری تھی۔ اس ڈر سے کہ وہ بلائیں پھر مجھ تک نہ آ پہنچیں، میں پھر بھاگنے لگا۔

میں ایک لمبا چکر کاٹ کر گاؤں کے قریب پہنچا تو یہاں بھی ایک مصیبت میری تاک میں تھی۔ گاؤں کے کتے مجھے بھوت سمجھ کر میرے پیچھے پڑ گئے۔ اس نئی مصیبت سے ڈر کر میں بھاگا تو گھر کا راستہ بھول گیا۔ بڑی مشکل سے گھر ملا تو کتے بھی میرے تعاقب میں وہاں آ پہنچے۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔

"جلدی دروازہ کھولو۔" میں نے چلا کر کہا۔ میرے چچازاد بھائی نے دروازہ کھولا، مگر میری صورت دیکھ کر گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ میں جلدی سے اندر داخل ہو گیا، کیوں کہ کتے بری طرح بھونکتے ہوئے مجھ پر جھپٹ رہے تھے۔

"کون ہو تم؟" میرے چچازاد بھائی نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

اتنے میں گھر کے دوسرے لوگ بھی اُٹھ کر وہاں آ گئے۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر ڈر گئے، مگر جب میں نے اپنا نام بتایا تو سب کی ہنسی کے فوارے اُبل پڑے۔ چچا جان نے پوچھا: "یہ کیا ہوا؟"

"کچھ بلائیں میرے پیچھے لگ گئی تھیں۔" میں نے بتایا۔

"کیا" سب حیرت سے میرا منہ تکنے لگے۔ میں نے تفصیل سے بتایا تو چچا جان ہنس پڑے اور بولے:

"وہ بلائیں ولائیں کچھ نہیں تھیں۔ تم اپنے تصوّرات سے ڈر گئے تھے۔ تم نے اندھیرے میں درختوں اور جھاڑیوں کو بھوت اور چڑیلیں سمجھ لیا تھا، البتہ اُلو بھی اصلی تھا اور کتے بھی سو فی صد اصلی۔"

جب میرے اوسان ذرا بحال ہوئے تو میں نے سوچا چچا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ میرے تصوّرات ہی تھے، جو اندھیرے میں بھوتوں اور چڑیلوں کا روپ دھار گئے تھے، کیوں کہ میں ہر وقت بھوتوں اور چڑیلوں کی کہانیاں پڑھتا رہتا تھا۔ انہی خیالی بھوتوں اور چڑیلوں نے آج مجھے سچ مچ ڈرا دیا تھا۔

بلی نے جیسے ہی نانی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا شرارت سے گنگنانے لگی۔

نانی تیری مورنی کو مور لے گئے　　باقی جو بچا تھا کالے چور لے گئے

"نانی آئس کریم!" بنٹی نے بھی ہانک لگائی۔ وہ بھلا کیوں پیچھے رہتا۔

"ٹھہر جاؤ! ابھی پوچھتی ہوں شرارتی نہ ہو تو۔۔۔" نانی نے مسکراتے ہوئے مصنوعی غصہ دکھایا تو دونوں بھاگ کر نانی سے لپٹ گئے۔

چھٹیاں گزارنے کے لیے بچے اپنی ماں کے ساتھ نانی کے گھر آئے ہوئے تھے، یہاں ان کے وارے نیارے ہو جاتے، نہ کوئی روک ٹوک نہ ڈانٹ ڈپٹ، بلکہ یہاں تو ماما بھی نہ جھڑکتیں۔ ماما کچھ کہہ دیتیں تو الٹا انھیں نانی سے ڈانٹ پڑتی: "خبردار! میرے بچوں کو کچھ نہ کہنا۔"

"نانی کہانی کب سنائیں گی؟" بلی نے لاڈ سے پوچھا۔

بنٹی نے اپنا سوال پھر دہرایا: "اور آئس کریم کب کھلائیں گی؟"

"نہ بابا! ابھی تو آئس کریم کا نام نہ لینا۔ موسم بدل رہا ہے۔ خدانخواستہ بیمار پڑ گئے تو خوامخواہ کی پریشانی ہو گی۔ رہ گئی کہانی تو وہ رات میں سناؤں گی۔"

"نانی یہ کیا بات ہوئی، نہیں پڑتے بیمار۔" بنٹی نے منہ بسورا۔

"یہ بتاؤ کہ چاکلیٹ اور کیک کون کھائے گا؟ ارے ہاں! گلاب جامن بھی جو میں اپنے بچوں کے لیے بنا رہی ہوں۔"

"یم یم! ہم کھائیں گے سب کچھ۔"

"مزے! مجھے تو گلاب جامن بہت پسند ہے۔" دونوں کی باچھیں کھل گئیں۔ میٹھا انھیں بہت پسند تھا۔ ماما انھیں زیادہ میٹھا نہ کھانے دیتیں کہ دانت خراب ہو جائیں گے، مگر نانی کے گھر آ کر وہ سب کسر پوری کر لیتے۔

"شاباش! اچھا، سچ بتاؤ دل لگ گیا۔ اپنی دادی اور بابا سے اداس تو نہیں ہو گئے؟" نانی نے پیار سے ان کے بال سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"یاد تو آتے ہیں، مگر اداسی نہیں ہوئی۔ دادی بہت اچھی ہیں۔ پیار کرتی اور کھانے پینے کو دیتی ہیں۔ ڈانٹتی بھی نہیں، مگر نانی آپ کے گھر میں زیادہ آزادی ہے۔ جتنا مرضی سوئیں، جب مرضی اٹھیں، جتنا مرضی کھیلیں اور اُچھلیں کودیں۔" بنٹی نے بھول پن سے کہا تو بلی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"اس لیے پگلے کہ ہم یہاں چھٹیاں گزارنے کچھ دنوں کے لیے آتے ہیں، بے فکری ہوتی ہے۔ نہ اسکول جانا ہوتا ہے نہ ہوم ورک کرنا پڑتا ہے۔ اپنے گھر میں اور روٹین ہوتی ہے یہاں اور"

"دیکھیں نانی! یہ ہمیشہ بڑے ہونے کا رُعب جماتی ہے۔ کبھی کہیں مارا تو کبھی کہیں!" اس نے یوں سر پکڑا جیسے بہن نے سر پھاڑ ڈالا تھا۔

"ڈرامے باز بچے!" نانی نے کہا اور خود باورچی خانے کی جانب چل دیں، جہاں بچوں کی ماما کام میں لگی ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے بنٹی بھی بلی کو زبان دکھاتا بھاگ گیا تھا۔

رات کا کھانا سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ دونوں بہن بھائی نانی کے کمرے میں چلے آئے۔ نانی کمرے میں آئیں اور انھوں نے "پیاری نانی کہانی سنائیں" کہنا شروع کر دیا۔ مسکراتے ہوئے وہ پلنگ پر آئیں اور ان دونوں کو اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا۔

"پرانے زمانے کی بات ہے۔ کہتے ہیں کہ ان پہاڑوں کے کسی غار میں ایک شیر رہتا تھا۔ بڑا خوں خوار اور دہشت ناک شیر! پھر وہ بوڑھا ہو گیا اور بیمار رہنے لگا۔ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔ ایسے میں بھاگ دوڑ کر شکار کیسے کرتا۔" نانی نے کہانی کا آغاز کیا۔ دونوں بچوں کے چہروں پر تجسّس دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"آگے بتائیں نا! کیا اس کا کوئی دوست نہ تھا؟" بلی نے پوچھا۔

"ایک لومڑ سے اس کی اچھی سلام دعا تھی۔ شیر نے اپنی پریشانی کا ذکر لومڑ سے کیا۔ اس نے کہا کہ میں کوئی حل نکالتا ہوں اور چلا گیا۔ لومڑ نے جنگل میں مشہور کر دیا کہ شیر بیمار پڑ گیا ہے۔ اسے اپنے لیے ایک نائب کی ضرورت ہے، جو جانور شیر کو پسند آ گیا وہ اسے اپنا نائب چن لے گا۔ کئی چھوٹے جانوروں نے سوچا کہ قسمت آزمانی چاہیے۔ اگر جنگل کے بادشاہ کا نائب بن گئے تو ان کی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ جنگل کے دوسرے جانور ان کی عزت بھی کریں گے اور ڈریں گے بھی۔" نانی نے لمبی بات کے اختتام پر ایک وقفہ لیا۔ بنٹی نے جھٹ سے سوال پوچھا: "شیر کو کیا واقعی نائب کی ضرورت تھی؟"

"نہیں! یہ تو مکار لومڑ کی چال تھی، یوں جو جانور شیر کی غار میں جاتا وہ واپس نہ آتا۔ شیر جانور کا شکار کر لیتا اور اپنے غار میں پڑا سوتا رہتا۔ اس طرح کئی دن گزر گئے اور شیر کی طبیعت بہتر ہوتی گئی۔ اِدھر جنگل کے جانوروں کو اپنے ساتھیوں کی گم شدگی پر پریشانی ہونے لگی۔ سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ اب ان میں سے کوئی بھی شیر کے غار کی طرف نہیں جائے گا۔ کافی دن گزر گئے۔ ایک دن لومڑ غار کے پاس سے گزرا اور اس نے آواز لگائی: "شیر جی! طبیعت کیسی ہے۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" شیر جو کئی دنوں سے بھوکا تھا آواز سن خوش ہوا۔ کہنے لگا پیارے لومڑ! میں تمھیں بہت یاد کر رہا تھا۔ اندر آؤ نا باہر کیوں کھڑے ہو۔ لومڑ چالاک تھا، خوشامد کی وجہ سمجھ گیا۔ اس نے باہر سے ہی آواز لگائی، نہ بھئی شیر جی! مجھے بہت کام ہیں اور کام کرنے کے لیے زندہ رہنا ضروری ہے۔ یہ کہہ کر وہ بھاگا اور کبھی غار کی سمت نہ دیکھا۔"

بنٹی کہانی کا اختتام سُن کر اپنی جگہ سے اُچھلا: "ہیں۔۔۔ پھر کیا جنگل کے سب جانور بچ گئے؟ بوڑھا شیر مر گیا؟"

"دوسروں کا برا کرنے والے کے ساتھ ظاہر ہے اچھا تو نہیں ہوا ہو گا۔" بلی نے بڑے ہونے کا فرض ادا کرتے ہوئے رعب سے کہا۔

"بھئی! میں نے تو کہانی سنا دی۔ کیا تھا، کیا ہوا، کیا نہیں یہ سوچنا اب تم لوگوں کا کام ہے۔ میں گھر کی بتیاں بجھا کر آئی۔ اچھے بچوں کی طرح سونے کی تیاری کرو۔" نانی کے جاتے ہی بنٹی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ نانی کا گھر پہاڑی علاقے میں تھا۔ دور دور گھر ہونے کے باعث کہیں کہیں ٹمٹماتی روشنی نظر آ رہی تھی۔

"اگر اِدھر پہاڑوں کے کسی غار میں ابھی تک شیر۔۔۔" اس نے سوچا اور کھڑکی کا پردہ برابر کر کے بھاگتا ہوا بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

اپنے اپنے بستر پر دراز بلی اور بنٹی سوچ رہے تھے کہ کیسے سمجھ داری سے کام لے کر کسی بھی نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔

جگنو اور بلبل

نفیسہ سعید

بلبل کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، جس کا نام چنکو تھا۔ چنکو بہت شرارتی، نٹ کھٹ اور تھوڑا سا ضدی تھا۔ وہ ہر کام میں اپنی من مانی کرنے کا عادی تھا۔ چنکو صبح سویرے جو گھر سے نکلتا تو دوستوں کے ساتھ یہاں وہاں گھومتا، کھیلتا کودتا، دانہ دنکا چگتا اور شام ڈھلے اس وقت گھر واپس لوٹتا جب اندھیرا پورے جنگل پر چھانے لگتا، ایسے میں اماں بلبل پریشان ہو کر درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھتی اور منّے بلبل کی راہ دیکھا کرتی، بلبل جیسے ہی گھر واپس لوٹتا ،اماں اسے سمجھاتی

"دیکھو بیٹا! شام ڈھلنے سے پہلے گھر لوٹ آیا کرو، ایسا نہ ہو کسی دن، رات کے اندھیرے میں تم رستہ بھول جاؤ۔"

مگر چنکو پر رَتی برابر اثر نہ ہوتا، وہ اپنی ماں کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کرتا، کیوں کہ اسے اپنے دادا کی سنائی گئی کہانی آج بھی اچھی طرح یاد تھی، جب وہ ایک اندھیری رات جنگل میں راستہ بھول گئے تھے، تب ایک جگنو نے اپنی روشنی کی مدد سے انھیں راستہ دکھایا تھا اور گھر پہنچنے میں ان کی مدد کی تھی۔ چنکو کو اُمید تھی آج بھی اگر وہ راستہ بھول گیا تو کوئی جگنو اندھیرے میں جگمگاتا، اس کی مدد کو ضرور آئے گا۔ یہ سب سوچ کر وہ بڑی بے فکری سے اندھیرا پھیلنے تک اپنا مٹر گشت جاری رکھتا۔ اسی طرح ایک دن جب آسمان پر ہلکے، ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے، چنکو حسبِ معمول صبح سویرے گھر سے نکلا۔ ڈالی ڈالی پھرا، دانہ دنکا چگا اور ہمیشہ کی طرح سورج ڈھلنے تک دوستوں کے ساتھ خوب گھوما پھرا جو آہستہ آہستہ کر کے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے اور چنکو اکیلا رہ گیا، جب اچانک ہی ہر طرف اندھیرا سا چھانے لگا اور اگلے ہی پل سارے جنگل کو کالے بادلوں نے ڈھک لیا، شاید بارش ہونے والی تھی۔ چنکو نے نظر گھما کر یہاں، وہاں اپنے دوستوں کو تلاش کرنا چاہا کہ شاید کوئی اسے دکھائی دے جائے، مگر افسوس! اسے کوئی بھی نظر نہ آیا، کیوں کہ وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ چکے تھے۔ چنکو پھر بھی نہ گھبرایا، وہ رات کی بڑھتی تاریکی میں کسی جگنو کا منتظر ایک اونچے درخت کی شاخ پر جا بیٹھا۔ آہستہ آہستہ چاروں طرف گہرا سیاہ اندھیرا پھیل گیا۔ ہر طرف ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی، مگر دور دور تک کوئی جگنو نہ تھا۔ یہ دیکھ کر اب چنکو کچھ کچھ خوف زدہ ہونے لگا اور کچھ ہی دیر میں گھبرا کر وہ رونے لگا، اسے اُمید تھی، اس کی آہ وزاری سن کر جگنو ضرور اس کی مدد کو آئے گا اور پھر اس کی یہ اُمید جلد ہی بَر آئی، جب اسے بہت دور سے چمکتی روشنی دکھائی دی، جو یقیناً کسی جگنو کے جسم سے خارج ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ روشنی قریب آتی گئی، جسے دیکھ کر بلبل کی آہ وزاری میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا:

میں راستہ بھول گیا ہوں
میں اندھیرے سے ڈرتا ہوں
میں ایک چھوٹا سا بلبل کا بچہ ہوں
جسے ایک جگنو کی تلاش ہے
جو اسے اپنی روشنی میں راستہ دکھا سکے

اتنی دیر میں وہ روشنی درخت کے نیچے آ کر رُک گئی۔ بلبل نے دیکھا وہ ایک مشعل تھی، جسے کسی مرد نے اپنے ہاتھ میں اُٹھا رکھا تھا، جو شاید اندھیرے میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر چنکو سخت مایوس ہوا۔ اس نے بآواز بلند سوچا آخر یہ سارے جگنو کہاں چلے گئے؟ کوئی اس کی مدد کو کیوں نہیں آ رہا؟ اس کی یہ بات سن کر دوسری شاخ پر بیٹھے اُلو نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور جواب دیا:

"اس جنگل کے سارے جگنو ہجرت کر گئے ہیں۔ تمھیں ان کی تلاش کے لیے شمالی جنگلات کی طرف جانا ہوگا، کیوں کہ جب قریبی شہروں کی آلودگی ان جنگلوں تک پہنچ گئی تھی تو تتلیاں اور جگنو گھبرا کر یہاں سے بھاگ گئے اور جنگل ان کے وجود سے خالی ہو گیا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن میں اب گھر کیسے جاؤں گا؟" اُلو کی بات ختم ہوتے ہی چنکو روہانسا ہو گیا۔

"آج کی رات اسی درخت کی شاخ پر گزار لو۔" اُلو انکل نے اسے مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہی بیٹھا ہوں، ویسے بھی اتنے اندھیرے میں تم کبھی بھی اپنے گھر واپس نہیں جا سکتے۔"

انکل اُلو کی بات ٹھیک تھی، لہٰذا جگنو کی بے وفائی کے سبب ڈرا سہما بلبل ساری رات شاخ پر بیٹھا دن نکلنے کا انتظار کرتا رہا اور صبح ہوتے ہی پُھر کر کے اپنے گھر کی جانب اُڑ گیا۔

آج کے اس واقعہ کے بعد چنکو نے اپنے دل میں پکا عہد کر لیا تھا، اب وہ کبھی بھی رات دیر تک جنگل میں رہ کر کسی جگنو کا انتظار نہیں کرے گا، بلکہ وقت پر ہی گھر واپس لوٹ جائے گا، تاکہ راستہ نہ بھولے۔۔۔!!

محنت کا پھل

بانیہ عبدالشکور

ایک خوب صورت گاؤں میں حسن نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ حسن بہت ذہین تھا، لیکن اس کی سب سے بڑی کم زوری یہ تھی کہ وہ محنت سے دور بھاگتا تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ محنت تو ان کے لیے ہوتی ہے جو "کم عقل" ہوتے ہیں اور وہ کم از کم یہ نہ تھا۔ ایسا نہیں کہ حسن مغرور، بد تمیز یا دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے والا تھا، اس کے لیے اس کی ذہانت امارت اور غربت کی طرح بس ایک حقیقت تھی۔

اس کا دوست علی ہر روز اسکول سے آکر اپنا سبق یاد کرتا، جبکہ حسن سارا دن کھیلنے میں مصروف رہتا۔ حسن کو لگتا تھا کہ وہ امتحان میں بغیر کسی محنت کے کام یاب ہو جائے گا، جبکہ علی اپنی کام یابی کے لیے ہمیشہ محنت پر یقین رکھتا تھا۔

ایک دن اسکول کے استاد نے اعلان کیا کہ مہینے کے آخر میں سالانہ امتحانات ہونے والے ہیں اور جو بچہ امتحان میں بہترین نمبر لے گا، اسے انعام سے نوازا جائے گا۔ یہ سن کر کھیلنے کودنے والے طلبہ پریشانی اور محنتی طلبہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب اپنے اپنے پرچوں کی تیاری کے منصوبے بنانے لگے۔ علی نے بھی پہلے سے زیادہ محنت کرنے کا تہیہ کیا، لیکن حسن نے اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اس نے سوچا، میں ذہین ہوں، آج تک بھی تو کم تیاری کے باوجود اچھے نمبر حاصل کرتا رہا ہوں، اس بار بھی کر لوں گا۔

امتحانات کے دن قریب آتے گئے، علی دن رات محنت کرتا رہا، اپنے اسباق کو بار بار دہراتا اور استاد سے مشکل سوالات سمجھنے کی کوشش کرتا۔ دوسری طرف حسن کھیل کود میں مشغول رہا اور امتحانات کی تیاری کے لیے کچھ نہ کیا۔ اگر کوئی بھی اسے پڑھنے کا کہتا تو اسے بھرپور اعتماد سے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیتا کہ "میرے لیے امتحانات کوئی بڑی بات نہیں، میں پڑھے بغیر ہی کر لوں گا۔"

آخر کار امتحان کے دن آ گئے۔ علی پُر اعتماد تھا، کیوں کہ اس نے پوری محنت کی تھی، دوسری جانب ہلکے پھلکے مطالعے کے ساتھ حسن بھی پُر سکون نظر آ رہا تھا۔ امتحان کا پرچہ اس کے سامنے آیا سوالات پڑھنے کے بعد اس کی تو جیسے سانسیں ہی رُک گئی ہوں۔ بے شک حسن نہایت ذہین تھا، لیکن اس سال کا کورس کچھ اس طرح کا تھا کہ اس کو سمجھنے اور یاد رکھنے کے لیے بار بار مشق کی ضرورت تھی، اب بڑی جماعت میں جو آ گئے تھے، لیکن ان جناب کو انہی بچپن کی سادہ چیزوں کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ حسن نے آس پاس نظر دوڑائی سب بچے اپنا پرچہ حل کرنے میں مصروف تھے اور علی بھی تیز تیز لکھ رہا تھا، پھر اس نے اپنے پرچے کی طرف دیکھا اسے سمجھ میں آ گیا کہ بغیر تیاری کے وہ ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتا۔ حسن کا ذہن خالی ہو گیا اور وہ ایک بھی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔ یہی حالت تمام پرچوں میں رہی۔ امتحان کے بعد وہ بہت پریشان تھا، لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

چند دن بعد امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا۔ علی نے محنت کا پھل حاصل کیا اور پورے اسکول میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ استاد نے علی کو سب بچوں کے سامنے انعام دیا اور اس کی محنت کی تعریف کی۔ علی بہت خوش تھا، کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اس کی کام یابی اس کی سخت محنت کا نتیجہ تھی۔

جبکہ حسن کو نتائج سن کر بہت مایوسی ہوئی۔ وہ فیل ہو گیا تھا اور سب کے سامنے شرمندہ کھڑا تھا۔ اس نے تأسف سے سوچا: "اگر میں نے بھی علی کی طرح محنت کی ہوتی تو میں بھی کام یاب ہو جاتا۔"

حسن نے اپنا سبق سیکھ لیا تھا۔ اس نے علی سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: "تم ٹھیک کہتے تھے، محنت کے بغیر کام یابی ممکن نہیں۔ ذہانت ایک انمول تحفہ ہے، مگر محنت نہ کی جائے تو اس سے بھی انسان فیض یاب نہیں ہو سکتا۔ اب میں بھی آئندہ سے محنت کروں گا۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا: "محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے اور جو کوشش کرتا ہے، کام یابی اسی کو ملتی ہے۔"

اس دن کے بعد حسن نے اپنی زندگی کا نیا اصول بنایا کہ محنت اور لگن کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس نے سچی محنت شروع کی اور اگلے سال امتحان میں بہترین نمبر حاصل کیے۔ حسن کو یقین ہو گیا کہ محنت ہی کام یابی کی چابی ہے۔ کام یابی صرف ذہانت سے نہیں بلکہ سخت محنت سے حاصل ہوتی ہے، جو لوگ محنت نہیں کرتے، وہ کام یابی کے خواب بھی نہ دیکھیں۔۔۔!!

مٹر پُلاؤ

یاسر فاروق

چاول بڑے بڑے سے — مجھ میں مٹر ہرے سے
یاروں کو بھی بلاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ
مجھ میں گرم مسالا — مجھ کو پکائیں خالہ
آ کے مزے اڑاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ
سب شوق سے ہیں کھاتے — اوروں کو بھی بلاتے
ڈھیروں ثواب پاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ
چاول ہیں بھورے بھورے — اندر مٹر ہیں پورے
جلوے مرے دکھاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ
چاول میں جیسے موتی — ایسے دکھے یہ سبزی
دعوت کو پھر سجاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ
خوش بو ہے میری کیسی — میٹھی سی بھینی بھینی
ساروں کو کھینچ لاؤ — میں ہوں مٹر پلاؤ

ہمارے اقبالؒ

فاکہہ قمر

"دادی اماں! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ کل آپ سب بچوں کو ایک عظیم شخصیت کے بارے میں کہانی سنائیں گی۔" احمد نے دادی جان کو یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

"ہاں بچو! کہانی تو میں تمہیں ضرور سناؤں گی، مگر پہلے تم سب بچے جا کر مسجد میں نماز ادا کر آؤ۔" دادی جان نے مسکراتے ہوئے بچوں کو نماز ادا کرنے کی تلقین کی۔

سب بچے دادی اماں زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ سب نے دادی اماں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے وضو کیا اور پھر امام صاحب کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی۔ تھوڑی ہی دیر میں سب بچے دادی اماں کی چارپائی پر براجمان تھے اور پھر دادی اماں نے کہانی سنانا شروع کی۔

بچو! یہ کہانی اس مہینے کی ہی نسبت سے ہے، یعنی ماہِ نومبر کے ہی متعلّق، لیکن یہ نومبر آج کا نہیں بلکہ 1877 کا ہے۔ جب ایک عظیم ہستی اس دنیا میں آئی تھی۔ ایسی عظیم ہستیوں کے بارے میں کسی نے ٹھیک کہا کہ عظیم انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے سالہا سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔ زندگی سالہا سال یوں ہی گزرتی رہتی ہے، تب جا کر کہیں اتنی عظیم ہستی رونما ہوتی ہے، جو نہ صرف خود عظمت کے معیار پر پورا اترتی ہے، بلکہ انھیں دیکھ کر عظمت کا معیار مقرر کیا جاتا ہے۔ دادی جان نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

ہاں تو بچو! یہ بھی ایک ایسی ہی عظیم ہستی تھیں، جنہیں ہم سب محسنِ پاکستان، مصوّرِ پاکستان اور شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتے ہیں۔ بچو! ایک وقت برّصغیر کے مسلمانوں پر ایسا آ گیا تھا کہ مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کے سامنے بالکل بے بس ہو گئے تھے۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ مسلمانوں نے جیسے غلامی کی سیاہ زنجیروں سے سمجھوتا کر لیا ہے اور ان کے اندر خودداری ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ مسلمانوں کی اس حالت کا انگریزوں اور ہندوؤں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے اپنے ظلم و ستم میں مزید اضافہ کر دیا۔

مسلمان خاموشی سے اس ظلم کو سہتے رہے، مگر پھر اچانک یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا، جس نے اپنی بے باکِ شاعری کے ذریعے مسلمانوں کی خودداری کو جھنجھوڑا اور مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کے خلاف ایک زبردست تحریک چلانے پر آمادہ کیا۔ دادی جان نے بچوں کی دل چسپی دیکھتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل تعارف کروایا اور اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا: آج ہم ایک علاحدہ وطن تو ضرور حاصل کر چکے ہیں، مگر ہم اغیار کے تابع ہو کر چل رہے ہیں۔ وہ ہمیں جیسے حکم کرتے ہیں ہمیں ویسا ہی کرنا پڑتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ آج ہم پھر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ یعنی دینِ اسلام کو ہم نے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ دادی اماں ایک لمحے کے لیے رُکیں اور پھر بولیں۔

آہا! آج اقبال پھر یاد آ رہا ہے، کیا خوب کہا تھا اس نے تم جیسے شاہین بچوں اور جوانوں کے لیے:

جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

ہاں! اللہ کرے اقبال کا نورِ بصیرت آج پھر عام ہو جائے اور مسلمانوں پر چھائی ہوئی یہ خزاں، بہار میں بدل جائے اور کئی برسوں سے چھائی شام صبح میں تبدیل ہو جائے۔

دیکھو بچو! آج وعدہ کرو کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے گئے کلام کو پڑھو گے بھی ضرور اور اس پر عمل بھی کرو گے۔ اس کے کلام میں پیامِ مشرق بھی ہے، زبورِ عجم، جاوید نامہ، اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی بھی ہیں۔ یہ ساری کی ساری شاعری قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور مسلمانوں کو اس بات کا درس دیتی ہے کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کریں، اس میں ان کی سربلندی ہے۔ بچو! ہم اقبال کے لیے دعا کریں گے کہ وہ ابدی زندگی میں سرخرو ہوں اور اللہ ہمارے اس وطن کی حفاظت کرے، آمین! دادی کی بات مکمل ہوتے ہی سب نے یک زبان آمین کہا۔

خوشی

شمائلہ شکیل

دکانوں پر نہیں بکتی
خوشی انمول ہوتی ہے

امیروں کی نگاہوں میں
بھٹکتی پاس دیکھی ہے

کبھی غربت کے دروازے
پہ دستک مسکراتی ہے

خودی کے باغ میں رہتی
یہ تو بلبل انوکھی ہے

بزرگوں کی دعاؤں میں
حصاروں میں یہ پلتی ہے

بہاروں میں بھی دیکھا کہ
سُروں کا تخت خالی ہے

دلوں کو توڑ دینے سے
ہمیشہ روٹھ جاتی ہے

جہاں پر مان بستے ہوں
وہاں یہ گنگناتی ہے

بچوں کے فن پارے

میرم طاہر باجوہ ،9 سال، گجرات

خرد فاطمہ 8سال منڈی بہاء الدین

نور الہدی ،7سال فیصل آباد

زکرا اسماعیل،10 سال، چترال

عائشہ ملک 11 سال لاہور

محمد عثمان 9 سال صادق آباد

فاطمہ ،9سال مراکش

منساء احد 11 سال لاہور

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ راول پنڈی سے عنایہ زینب کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

چھوٹی سی بات!

اللہ تعالی نے یہ دنیا بہت خوب صورت بنائی ہے۔ پھول، پودے، پرندے، آسمان، چاند، سورج، ستارے، جھیلیں، آبشاریں، دریا اور سمندر سب کچھ بہت پیارا ہے۔ لیکن اس دنیا میں کچھ چیزوں سے ہمیں ڈر بھی لگتا ہے جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ۔ اسی طرح پھولوں کے ساتھ کانٹے اور دن کے ساتھ رات بھی ہوتی ہے۔ کانٹے اور رات تو ہمیں اچھے بھی نہیں لگتے۔ اسی طرح کبھی کبھی ہم بیمار بھی پڑ جاتے ہیں۔ بیماری کی وجہ سے ہم کھیل اور پڑھ بھی نہیں سکتے پھر اب ہم کیا کریں؟ ہمارا تو دل چاہتا ہے کہ ہر طرف صرف خوبصورت چیزیں ہوں۔ ہم ہم ہمیشہ صحت مند رہیں، کھیلتے کودتے رہیں۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہو؟

تو سنیے! اس دنیا میں تو یہ ممکن نہیں لیکن اللہ تعالی نے بہت خوب صورت جنت بنائی ہوئی ہے۔ جس میں صرف وہ ہو گا جو ہمیں اچھا لگتا ہے۔ خوبصورت نظارے، مزے مزے کے کھانے اور صحت مند زندگی۔ اب سوال یہ ہے کہ جنت جائیں کیسے؟

جواب آسان ہے ہر وقت چلتے پھرتے، کھیلتے کودتے، پڑھتے لکھتے کہا کیجیے لا الہ الا اللہ اس کلمے کی برکت سے یہ ہو گا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس طرح ان شاءاللہ یہ دنیا بھی آپ کے لیے ہمیشہ خوبصورت رہے گی اور اگلی زندگی میں جنت بھی ملے گی ان شاءاللہ

ماہنامہ فہم دین
نومبر 2024ء کے سوالات

سوال 1: حمنہ کی کیا چیز کھو گئی تھی؟؟

سوال 2: جنگل کے جانور کس سے نالاں تھے؟

سوال 3: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس جھولے میں بٹھا کر آگ میں ڈالا گیا اس کا نام کیا تھا؟

سوال 4: الو کیا ہے؟

سوال 5: گل ریحان کے معنی کیا ہیں؟

اکتوبر 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: دادی جان کو زہریلا پانی پلا دیا۔

جواب 2: کیلکولیٹر

جواب 3: خالہ جان

جواب 4: جمعہ

جواب 5: سرسبز جھاڑیوں

اکتوبر 2024ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر فورٹ عباس سے عائشہ محسن کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات اکتوبر 2024 کے شمارے سے لیے گئے۔ جوابات کی آخری تاریخ 15 نومبر 2024ء ہے

بلا عنوان کا عنوان

اکتوبر میں صبا ایشل کا افسانہ بلا عنوان لگا تھا، کراچی سے محمد مصطفی کا دیا عنوان انعامی قرار پایا ہے: انہوں نے عنوان دیا ہے: خالی ہاتھ

اساتذۂ کرام

کلام: جوہر عباد

روزانہ شمعِ علم جلائیں اساتذہ
تاریکیاں جہل کی مٹائیں اساتذہ

کہنا انہیں بے جا نہیں تدریسِ آفتاب
تعلیم کی کرنیں جگمگائیں اساتذہ

اعلیٰ مہارتوں سے بھرا جامِ معلومات
ہر طالبِ علم کو پلائیں اساتذہ

کرواکے بالترتیب طے تعلیمی مدارج
درجہ بہ درجہ آگے پہنچائیں اساتذہ

سونے سے قیمتی زیادہ دیتے ہیں خزانہ
تعلیم کے زیور سے سجائیں اساتذہ

مضبوط ہوتا ہے انہی سے شعبۂ تعلیم
ہر قوم کی تقدیر جگائیں اساتذہ

ملتی ہے جن کی روشنی سے آگہی پیہم
مژدۂ نورِ علم پھیلائیں اساتذہ

اُستاد کا پیشہ ہے، پیشۂ پیغمبری
سنت کا فیضِ خاص اٹھائیں اساتذہ

دیتی ہے ان کی حوصلہ افزائی نیا عزم
پُر اعتماد ہم کو بنائیں اساتذہ

کرتے ہوئے سہل سبھی نصابی مشکلات
سارے تفکرات بھگائیں اساتذہ

حاصل ہے انھیں اپنے مضامیں پر دسترس
ہر لیکچر اچھے سے سمجھائیں اساتذہ

شاگردوں کی کرا کے کتابوں سے دوستی
تعلیم سے کرتے ہیں وفائیں اساتذہ

کھلتے ہیں اِن کی کاوشوں سے علم کے غنچے
تعلیمی گلستان مہکائیں اساتذہ

اپنی مہارتوں کی گر مجوشش ادا سے
ذہنوں پہ جمی برف پگھلائیں اساتذہ

ہو جاتے ہیں ان کی وجہ سے کند ذہن لائق
پاتے ہیں نجانے کتنی دعائیں اساتذہ

ملتی ہے دلِ ناتواں کو کتنی تقویت
جب دیکھ کر ہمیں مسکرائیں اساتذہ

ہر طالبِ علم پہ ان کی ہوتی ہے نگاہ
گویا کہ فیضِ عام پہنچائیں اساتذہ

سارے ہی پیشوں کے لیے اُستاذ لازمی
استاد کو استاد بنائیں اساتذہ

معلمِ ﷺ انسانیت کے نقشِ قدم پر
چلتے ہوئے سنت کو اپنائیں اساتذہ

ہو جاتی ہے پوری کلاس اِن کی معتقد
مشکل میں جب بھی ساتھ نبھائیں اساتذہ

دے کر سبھی کو اپنے تجربات کا نچوڑ
تعلیمی استعداد بڑھائیں اساتذہ

ہو جاتے ہیں اُن کے ذہن میں تاعمر محفوظ
شاگردوں پر شفقت جو فرمائیں اساتذہ

محنت سے اِن کی بنتے ہیں نالائق بھی لائق
کند ذہنوں پر جو وقت لگائیں اساتذہ

بن جاتی ہے پوری کلاس زعفران زار
دورانِ لیکچر جو ہنسائیں اساتذہ

اُس وقت تو جماعت کی حالت نہ پوچھیے
جب غیض و غضب اپنا دکھائیں اساتذہ

جن سے ہراساں ہو کے کوئی چھوڑ دے تعلیم
زیبا نہیں اُنھیں کہ کہلائیں اساتذہ

گرویدہ ہو جاتے ہیں سب طلبہ و طالبات
شفقت و محنت سے جو پڑھائیں اساتذہ

بے لوث ہو کے کرتے ہیں تعلیم و تربیت
اپنے حالات سب سے چھپائیں اساتذہ

استاد بھی تو ہوتے ہیں شاگرد کسی کے
یومِ اساتذہ یوں منائیں اساتذہ

پڑھنا پڑھانا، لکھنا لکھانا ہے اِن کا کام
اپنا ہر ایک فرض نبھائیں اساتذہ

خوفِ خدا، حبِ رسول ﷺ، نیتِ خالص
جب ہی تو اعلیٰ مرتبہ پائیں اساتذہ

ان کا پڑھا بنتا ہے صدقۂ جاریہ
گویا کہ نفع در نفع پائیں اساتذہ

جوہر بیان اور کیا ہو شانِ معلم
روحانی والدین کہلائیں اساتذہ

معلمِ انسانیت ﷺ کے نقشِ قدم پر
چلتے ہوئے سنت کو اپنائیں اساتذہ

ملتی ہے جن کی روشنی سے آگہی پیہم
مژدۂ نورِ علم پھیلائیں اساتذہ

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

کر رہے ہیں تیری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی بولتا پانی

تو ہے آئینۂ ازل یارب!
اور میں ہوں ابد کی حیرانی

تیرے جلوؤں کے دم سے لیل و نہار
تیرے سورج کی سب درخشانی

گونجتا ہے ثنا کے نغموں سے
گنبدِ جاں ہے میرا نورانی

پار ہوتی نہیں مرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی

تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

صبیح رحمانی

نعت رسول ﷺ

اک تسلسل سے ہے بارش ہر طرف انوار کی
ذکر کی محفل سجی ہے احمدِ مختارؐ کی

عرش پر ان کو بلایا خالقِ کونین نے
اللہ اللہ کس قدر توقیر ہے سرکارؐ کی

راہِ حق میں ظلم سہ کر جان بھی قربان کی
ہے شہیدوں میں فضیلت یاسرؓ و عمارؓ کی

روضۂ اقدس پہ میں اک بار کیا حاضر ہوا
حاضری دربارِ اقدس میں ہے اب ہر بار کی

جان و دل سے ہر صحابیؓ آپؐ پر قربان ہے
ہاں مگر کچھ اور ہی ہے بات یارِؓ غار کی

گھر میں جا کر دشمنِ جاں کے بصد لطف و کرم
کی خبر گیری رسولؐ اللہ نے بیمار کی

کشف کی صورت میں دیکھا ہے محمدؐ کو حبیب
نعت جب میں نے کہی ہے سیدِؐ ابرار کی

قاری حبیب اللہ حبیب

پہلے تولو پھر بولو

امام کسائی کا شمار سات مشہور قرّا میں ہوتا تھا اور یزیدی بھی معروف اور اچھے قرّا میں سے تھے۔ یہ دونوں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانۂ حکومت میں بغداد کی ایک ہی مسجد میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ امام کسائی ہارون الرشید کے صاحب زادے امین کی تربیت و تادیب پر مامور تھے اور یزیدی مامون کو ادب سکھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ امام کسائی اور یزیدی دونوں خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں نمازِ مغرب کا وقت آ گیا۔ لوگوں نے امام کسائی کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، لیکن سورۃ الکافرون کی تلاوت میں اٹک اٹک جاتے تھے، چناں چہ غلط پڑھی یا بھول گئے۔ جب سلام پھیرا تو قاری یزیدی نے کہا: اہلِ کوفہ کے امام و قاری اور وہ بھی سورۃ الکافرون میں بھول جائیں یا اٹک جائیں یا غلطی کریں؟؟ جب عشاء کی نماز کا وقت آیا تو یزیدی نے لوگوں کو نماز پڑھائی، لیکن ان پر قرأت مشکل ہو گئی اور سورۃ الفاتحہ ہی کی تلاوت میں غلطی کی اور بھول بھی گئے۔ جب نماز سے سلام پھیرا تو امام کسائیؒ نے ان سے فرمایا:

اِحْفَظْ لِسَانَكَ لَا تَقُوْلُ فَتُبْتَلٰى إِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ

اپنی زبان کی حفاظت کا اہتمام رکھو اور کوئی ایسی بات مت کہو کہ کہیں اس کی وجہ سے تم آزمائش میں گرفتار نہ ہو جاؤ، کیوں کہ آزمائش اکثر و بیشتر انسان کی گفتگو کے باعث ہی آتی ہے۔

(سنہرے حروف، عبدالمالک مجاہد، ص:131)

جو ہو گیا سو ہو گیا

ماضی کو یاد کرنا، ماضی کو ذہن میں لانا، ماضی کے بارے میں گفتگو کرنا اور اس کے بیتے ہوئے دکھوں کو دہرانا سراسر بے وقوفی اور حماقت ہی نہیں، بلکہ یہ ارادے کا قتلِ عام اور آنے والی زندگی کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ عقل مندوں کے نزدیک ماضی کی فائلیں لپیٹ لی گئی ہیں، انھیں دوبارہ نہیں کھولا جاسکتا۔ ماضی کی یادوں کو نسیانِ زندانوں میں اور پردہ پوشی کی جیل میں اتنی مضبوط زنجیروں سے باندھ دینا چاہیے کہ وہ دوبارہ کبھی نکلنے نہ پائیں اور پھر اس جیل کے چراغ کی گل کر دیں، تاکہ وہ اندھیرے میں ہی پھنسی رہیں۔ گذرا ہوا زمانہ واپس نہیں آتا، ماضی کے دکھ کی اصلاح نہیں ہو سکتی، بیتی ہوئی پریشانی کو شادمانی سے نہیں بدلا جاسکتا، کیوں کہ مرے ہوئے کو زندہ نہیں کیا جاسکتا۔

ماضی کے مردار سائے تلے زندگی مت گذاریے، اپنے آپ کو ماضی سے چھٹکارا دیجیے۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ نہر الٹی بہنا شروع ہو جائے، سورج مغرب کو چلنے لگ جائے، بچہ ماں کے پیٹ میں واپس چلا جائے، دودھ تھنوں میں لوٹ جائے اور آنسو آنکھ میں واپس ہو جائے؟؟؟ ماضی سے لین دین اور ماضی کے بارے میں پریشان ہونا گویا جلتی آگ میں اپنے آپ کو جلانا ہے۔

(کام یابی کے رہ نما اصول، حافظ عبدالماجد، ص:60)

جس کی لاٹھی اس کی بھینس

طاقت ور ہی کاسب کچھ ہے، جب کوئی طاقت ور اپنے بل بوتے پر زبردستی کسی کم زور کا مال اپنے قبضے میں کرلے تو یہ مثل کہی جاتی ہے۔ اس مثل کے وجود میں آنے کا سبب ایک دل چسپ حکایت ہے: ایک بار کوئی شخص بازار سے ایک بھینس خرید کر اپنے گھر کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں سنسان جنگل پڑتا تھا، جس وقت وہ سنسان راستے سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک چور ملا۔ چور نے اس کا راستہ روک لیا اور ڈرا دھمکا کر کہا کہ بھینس میرے حوالے کردو، جب بھینس والے نے آنا کانی کی تو چور نے لاٹھی تان کر کہا: ”اگر تم بھینس نہیں دو گے تو اسی لاٹھی سے تمہارے سر کو چکنا چور کردوں گا، پھر تم کو بھینس کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اچھائی اس میں ہے کہ بے چوں وچرا بھینس میرے حوالے کردو اور اپنے گھر کا راستہ لو۔“ بھینس والے نے سوچا کہ معاملہ گڑبڑ ہے، کہیں جان پر نہ بن آئے۔ بھینس دینے ہی میں عافیت ہے، اس نے بھینس چور کے حوالے کردی اور نہایت عاجزی وانکساری سے کہا: ”اب یہ بھینس آپ کی ہے۔ راستہ سنسان ہے، اگر تم مجھے اپنی یہ لاٹھی دے دو تو میں اس کے سہارے اپنے گھر تک پہنچ جاؤں گا۔“ چور نے سوچا قیمتی بھینس تو مجھے مل گئی ہے، اب لاٹھی دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس نے بھینس والے کو اپنی لاٹھی دے دی۔ چور جوں ہی بھینس کو لے کر چلنے لگا، اس شخص نے لاٹھی تان کر کہا: ”اب کہاں جاتا ہے؟ تیری عافیت اس میں ہے کہ بھینس کو چھوڑ کر بھاگ جا، ورنہ تیرے سر کے دو ٹکڑے کردوں گا۔“ چور گھبرا گیا، معاملہ اُلٹا ہو گیا تھا۔ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس نے بھینس چھوڑ دی اور اپنی لاٹھی واپس مانگی۔ اس شخص نے جواب دیا: ”اب یہ لاٹھی تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے، کیوں کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس!“

(اردو کہاوتیں، ڈاکٹر شریف احمد قریشی، ص:161)

ہر انسان کو برابر کا وقت ملتا ہے

قدرت ہر شخص کو دن بھر میں 1440 منٹ، ہفتے میں سات دن، مہینے میں تیس دن اور سال میں 365 دن دیتی ہے، یعنی ہر ایک کو برابر کا وقت ملتا ہے، لیکن ہر ایک کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔ لوگوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو بہت مصروف ہوتا ہے۔ وہ بہت خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ ہے، جبکہ دوسری طرف ایک ایسا طبقہ بھی ہے، جس کا وقت گزر کر ہی نہیں دیتا۔ ایسے لوگ اپنا وقت ٹی وی دیکھ کر، سو کر، سوشل میڈیا پر یا آوارہ گردی میں گزار دیتے ہیں، جو شخص تنظیمِ اوقات کرنا چاہتا ہے، وہ سب سے پہلے یہ دیکھے کہ مجھ سے اپنا وقت کیوں قابو نہیں ہو رہا۔ سب سے پہلے وہ اس کی فہرست بنائے۔ جب فہرست بنے گی تو بہت سے ایسے کام نکلیں گے جو اس کے وقت کے ضیاع کا باعث بن رہے ہوں گے۔

(سوچ کا ہمالیہ، قاسم علی شاہ، ص:51)

توکل اور بھروسا

توکل کے معنی ہیں، انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات کے فیصلے کو اللہ کے سپرد کردے اور براہِ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں نظر آئے۔ توکل مسلمانوں کی کام یابی کا اہم نواز ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ رکھو۔ وہ تمہارے کام کا حسبِ خواہ نتیجہ پیدا کردے گا۔ اگر نتیجہ اچھا نہ نکلے تو اس میں اللہ کی حکمت اور مصلحت سمجھو اور اس سے مایوس نہ بنو اور جب نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو یہ غرور نہ ہو کہ یہ تمہاری تدبیر اور جِدّوجُہد کا نتیجہ اور اثر ہے، بلکہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و کرم ہوا۔

(اصلاح المسلم، عبدالستّار محمد بن عمر، ص:67)

تقسیمِ تقدیر

انسان دوسرے کی دولت دیکھ کر اپنے حالات پر اس قدر شرمندہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ تقسیمِ تقدیر ہے۔ ہمارے لیے ہمارے ماں باپ ہی باعثِ تحریم ہیں۔ ہماری پہچان ہمارا اپنا چہرہ ہے۔ ہماری عاقبت ہمارے اپنے دین میں ہے۔ اسی طرح ہماری خوشیاں ہمارے اپنے حالات اور اپنے ماحول میں ہیں۔ مور کو مور کا مقدّر ملا، کوے کو کوے کا! ہم یہ نہیں پہچان سکتے کہ فلاں کے ساتھ ایسا کیوں اور ہمارے ساتھ ویسا کیوں ہوا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ سے پوچھا: ”اے رب العالمین! آپ نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟“

(کرن کرن سورج، واصف علی واصف، ص27)

تحمل و برداشت

پیارے رسول اللہ ﷺ نے برداشت و تحمل، حلم و بردباری اور حوصلہ و صبر اختیار کرنے کی نہ صرف تعلیم دی ہے، بلکہ اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے اس کی لازوال مثالیں قائم کی ہیں۔ لوگوں کی سخت کلامی، ان کا ناروا سلوک اور سخت ترین اذیت رسانی کے باوجود پیارے رسول اللہ ﷺ ان پر خفا نہ ہوتے۔ پیارے رسول اللہ ﷺ کی یہی قوتِ برداشت پیارے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی علامت ہے۔ اس علامت کو دیکھ کر اور آزما کر یہود کا ایک بہت بڑا عالم زید بن سعنہ پیارے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور اپنا آدھا مال صدقہ کردیا اور غزوۂ تبوک میں شہید ہو گیا۔

(پیارے رسول ﷺ کے پیارے اخلاق، ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا، ص:76)

آئی کلینک کا آغاز اور لیب انٹرن شپ

رپورٹ: عتیق الرحمٰن

◆ بیت السلام شعبہ صحت نے آئی کلینک کا آغاز کیا ہے، جہاں آنکھوں کے تمام امراض کی تشخیص کے لیے ماہر ڈاکٹر موجود ہیں، جو جدید مشنری کے ساتھ معائنہ کرتے اور مریضوں کے لیے علاج تجویز کرتے ہیں۔ آئی کلینک بیت السلام لیب اینڈ ڈائگناسٹک سینٹر کی عمارت میں ہی قائم کیا گیا ہے۔ جہاں دوسرے امراض کے ڈاکٹر اور سرجن حضرات او پی ڈی کرتے ہیں۔

◆◆ بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائگناسٹک سینٹر نے چند ماہ پہلے میڈیکل کے طلبہ کے لیے 3 ماہ کا انٹرن شپ پروگرام متعارف کروایا تھا، پہلا بیچ اپنا دورانیہ مکمل کر چکا، اب دوسرے بیچ کے لیے ٹیسٹ اور انٹرویو کے بعد منتخب طلبہ کی کلاس کا آغاز ہو گیا ہے، لیکچر کے ساتھ ساتھ ان طلبہ کو سینئیر کی نگرانی میں عملی کام میں شرکت کے مواقع ملیں گے، یہ طلبہ انٹرن شپ کے بعد لیبارٹری اور ہسپتالوں میں اپنی خدمات فراہم کر سکیں گے۔

◆◆◆ لیب انتظامیہ نے شہر میں مختلف مقامات پر کلیکشن پوائنٹ کا آغاز کیا ہے، ایک برانچ نے کلیکشن پوائنٹ مع کلینک کام شروع کر دیا ہے، دوسری برانچ کا عنقریب آغاز ہونے والا ہے۔

BAITUSSALAM LYMPIAD'24

CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

رپورٹ: مصعب بن جنید

آٹھویں بیت السلام اولمپیاڈ مقابلے 7 سے 16 نومبر تک کراچی کے علاقے کورنگی کے انٹیلکٹ اسکول میں ہو رہے ہیں، جہاں ہمیشہ کی طرح سینکڑوں تعلیمی اداروں کے ہزاروں طلبہ اکیڈمک اور اسپورٹس کے مجوزہ تقریباً 50 مقابلوں میں حصہ لیں گے۔ افتتاحی تقریب حسبِ سابق انٹیلکٹ اسکول کے آڈیٹوریم ہال میں جمعرات 7 نومبر کی صبح ہو گی اور اختتامی تقریب منگل 19 نومبر کو مغرب کے بعد معین خان اکیڈمی میں ہو گی، جہاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ اور ٹیموں کو انعامات اور شیلڈ دی جائیں گی۔

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائرکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed